U1
Sh136S

درخورِ ہمّت ملا کرتا ہے پیمانہ یہاں

زبانِ غیب

(یعنی)

صدائے درا

مُصنّفہٗ

سلطان العارفین عالیجناب فضیلت انتساب حضرت مولٰنا مولوی

سیّد برکت علیشاہ صاحب گوشہ نشین مدظلہ وزیرآباد (پنجاب)

مصدّقہٗ

حجۃ الاسلام محی الملۃ والدین سرکار شریعت مدار

علامہ سیّد علی الحائری صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان ادام اللہ لاہور

حسب فرمائش

کربلائی شیخ غلام علی شہید مہ

مینجر خواجہ بک ایجنسی موچی گیٹ لاہور

بار اول

تقریظ

حجۃ الاسلام والمسلمین صدر المفسرین سلطان المحدثین محی الملت والدین رئیس الشیعہ مدار الشریعہ نباض الدہر حکیم الامۃ الناجیہ سرکار شریعت مدار علامہ **سید علی الحائری** صاحب قبلہ و کعبہ مجتہد العصر والزمان ادام اللہ ظلالہ لاہوری۔

باسمہ سبحانہ،

اَلْحَمْدُ لِمَنْ مِنْهُ الْبِدَایہ وَاِلَیْهِ النِّهَایَة وَفِیْ یَدِهِ الرُّشْدُ وَالْهِدَایہ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ حَافِظِ النِّقَایہ عَنِ الْغَوَایہ وَاٰلِهِ الْمَعْصُوْمِیْنَ نَاشِرِی الْحَدِیْثِ وَالْاٰیہ۔

امابعد میں نے کثرت مشاغل شرعیہ و فرط مشاکل سفریہ خصوصاً ترتیب اجزاء تفسیر لوامع التنزیل کے باوجود اس مقالۂ لطیفہ اور رسالہ شریفہ موسومہ **صدائے درا** منظومہ ناظم جمیل المناقب شریف المراتب حمید الضرائب فخر المناظرین جناب المولوی سید برکت علی شاہ صاحب گوشہ نشین کے بعض مقامات کو ملاحظہ کیا۔ جو فضائل و مناقب حضرات معصومین و مطہرین علیہم السلام میں منظوم ہیں۔ نہایت محظوظ ہوا۔ شک نہیں۔ کہ جناب ناظم صاحب کے لئے یہ رسالہ لِکُلِّ بَیْتٍ بَیْتٌ فِی الْجَنَّةِ کا مصداق ہے اَیَّدَہُ اللہ وَاَیَّدَہٗ لمرضاتہ

نمقہ خادم الشریعۃ المطہرہ

علی الحائری

محلہ شیعیان
موچی دروازہ
لاہور

تقریظ صداقت حظیظ

عمدۃ العلماء العظام زبدۃ الفضلاء الکرام سلالۃ الحکما والمتکلین مصدر لوامع ایقان منبع سواطع عرفان رافع رایات الایمان کاشف آیات القرآن قبلہ حضرت مولانا مولوی حشمت علی شاہ صاحب خیر اللہ پوری ایدہ اللہ بلطفہ الخفی والجلی وصانہ اللہ المنان عن طوارق حدثان الزمان مجتہد العصر والزمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظم صدائے درا مصنفہ مولانا مولوی سیّد برکت علی شاہ صاحب کے بعض مقامات اور اشعار کو دیکھا۔ اعتقاداً درست اور صحیح ہیں۔ مومنین اس کو پڑھ کر ثواب حاصل کریں۔

سید حشمت علی خیر اللہ پوری

تقریظ

عالیجناب عمدۃ المتکلمین وفخر الواعظین سیدنا و مولٰنا
مولوی سیّد محسن علی شاہ صاحب سبزواری لاہوری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ علی ما الھم و لشکر لہ علیٰ ما انعم والصّلوٰۃ والسّلام علی علمتہ عالمہ وواسطۃ خلقت بنی ادم وعترتہ الذین مصباح الظلم۔

امابعد حقیر نے کتاب "صدائے درا" نظم مؤلفہ شاعر شیریں کلام مولانا مولوی سید برکت علی شاہ صاحب گوشۂ نشین کے بعض مقامات مطالعہ کیئے اس کتاب میں مدح اہلبیت علیہم السلام اخلاق آداب پند نصائح سب کچھ ہے۔ تلامیذ الرحمٰن قوت الہامی سے دریا کو کوزہ میں بند کر کے دکھلا دیتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ کتاب دیکھنے والوں کو بہترین واعظ اور ناصح کا کام دیگی خداوند عالم مؤلف کے توفیقات خیر زیادہ فرماوے۔ اور کتاب کو قبولیت عام کا شرف بخشے۔ بمحمد و آلہ الطاہرین

احقر العباد محسن علی سبزواری

فہرست اغلاط

صفحہ	نمبر مصرعہ	غلط	درست	صفحہ	نمبر مصرع	غلط	درست
۲۳	۱	جب سے	جب آنکھ سے	۶۲	۹	لصد مشکل	بصد مشکل
۲۴	۳	دل ہوسکی	دل رہ ہوسکی	۶۴	۲	مسلم	مُسلّم
۲۵	۱۰	گویا	گوئیا	۷۵	۴	ساز اور سور	ساز اور سوز
۳۱	۱۲	سفر	سقر	۷۶	۸	اصل کو بہتر فروع سے	اصل سے بہتر فروع کو
۳۴	۳	تو	وہ	۷۶	۱۱	ہیں نہیں	میں ہی نہیں
۳۶	۵	بڑھائی	بڑھاتی	۷۹	۴	تو	جو
۴۱	۶	سے اُس	سے ہے اُس	۸۵	۸	تو	جو
۴۵	۳	سرو صنوبر	سرو صنوبر	۹۱	۶	بنے کا	بنے گا
۴۵	۶	قطرۃ اللہ	فطرۃ اللہ	۹۲	۱	مسلم	مُسلّم
۴۹	۱	قصر	قعر	۹۴	۲	بھی	ہی
۵۱	۲	بیوقوف	موقوف	۹۶	۱۰	ثمر یہ	ثمر پہ
۵۲	۵	لب	اب	۱۰۸	۸	ڈوب	ڈوب
۵۶	۸	ہے	بنے	۱۲۵	۹	رہتا	رہتا
۵۸	۳	اہلِ شباب	عہدِ شباب	۱۳۰	۲	نیپولین	نیپولین
۵۹	۲	کب	کیا	۱۳۰	۱۳	جوشِ دن	جوشِ زن
۶۰	۱۰	دیوانہ وار	پروانہ وار	۱۳۱	۲	رکھا	رکھا
				۱۳۲	۱۱	غذار	عذار
۲۶	۲	اِس	اُس	۷۸	۲	نشیں	مکیں
۸۸	۲	ذرا	ذرہ	۵۶	۱	میں	ہیں

فہرست مضامین

ضروری خلاصہ

قابل مصنف نے جو کچھ کہا ہے۔ اور جس خوبی سے کہا ہے۔ ناظرین پر خود بخود واضح ہو جائے گا۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ میں اس تمام نظم کا ضروری خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:-

۱۔ انبیاء۔ آئمہؑ اور مردانِ خدا کے مراتب کو عام انسان نہیں سمجھ سکتے؛

۲۔ ہمّت اور تدبیر کو اختیار کرنے سے فضلِ خدا شامل ہو جاتا ہے۔ اور پھر کامیابی یقینی ہے؛

۳۔ یادِ خدا میں حیرت انگیز قوت موجود ہے۔ اور خدمتِ انسان بھی یادِ خدا کا حِصّہ ہے۔

۴۔ رہبانیت اور گداگری خطرناک چیزیں ہیں۔ احسان اُٹھانے میں ذلّت اور ندامت ہے؛

۵۔ شامتِ اعمال کا قانون ہر طرف جاری ہے اپنے آپ پر یا کسی دوسرے پر ظلم نہ کیا جائے۔ اور ریاکاری کو بدترین گناہ سمجھا جائے؛

۶۔ صنم پرستی اور ناجائز عیش کا انجام حسرتناک ہے۔
۷۔ حوادثاتِ دھر میں غور کیا جائے۔ اور عبرت حاصل کی جائے ؛
۸۔ شریعت کے احکام پر عمل رہے۔ اور اُن احکام میں اپنی طرف سے غلط قیاس کو کام میں نہ لایا جائے ؛
۹۔ مصیبت کی حالت میں خدا کے فضل اور اپنی ہمّت پر بھروسہ رکھا جائے ؛
۱۰۔ اپنے آبا و اجداد کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھ کر اُن کے نقش قدم پر چلا جائے وغیرہ وغیرہ

بقایا امور کو جن کے متعلق فاضل مصنف نے خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم سے ملاحظہ کریں۔ اور دیکھیں۔ کہ آیا میں ذی علم مصنّف کے حق میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہوں۔ آفرین بادبریں ہمّتِ مردانہ تو۔

نیز میں اس حقیقت کے اظہار پر مجبور ہوں۔ کہ لائق مصنّف نے نہ تو اپنی سابقہ تصانیف سے ذاتی فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور نہ اس نظم سے۔ یہ بات اس کے خلوص اور بلند ہمّتی کی دلیل ہے ؛

چونکہ گورنمنٹ عالیہ کے عہدِ معدلت مہد میں رعایا کو امن اور امان حاصل ہیں۔ اس لئے ہماری دعا ہے۔ کہ اس کا سایۂ ہما پایہ ہم پر قائم رہے ٭

سید علی اکبر شاہ بی۔ اے
وزیر آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدائے درا

شعر میں اپنے جو رکھتے ہیں تمنائے اثر
جدّتِ مضموں سے کرتے ہیں سخن کو پُر گہر
میں نہیں کہتا مروّج قاعدوں کو توڑ دو
عادتِ تقلیدِ کورانہ مگر تم چھوڑ دو
گلشنِ اُردو کی رونق کو بڑھانے کیلئے
ڈھونڈ کر لاؤ اگر پودا کوئی اچھّا ملے

ہمتِ شاعر اگر ہوتی رہے گی آشکار
غالب اور سودا نظر آتے رہیں گے بار بار
سامنے تیرے ہوں رکھتا ایک موتی آبدار
قدر افزائی کا اس کی جوہری پر ہے مدار
شوق سے گاتے رہیں اب طائرانِ بوستان
نغمہ پیرا ہو چکی ہے بلبلِ شیریں بیان

حمد

حمد تیری کس طرح سے کر سکے بندہ ترا
جس سے تیرے شکر کا حق بھی نہیں ہوتا ادا
جملہ مخلوقات ہیں تیری ثنا میں تر زبان
ہے بھی تو ہوگا بھی تو اور تھا بھی تو ربِ جہان

تیری جا مع حمد تیری جملہ موجودات ہے

تیری عینِ حمد تیرے اصفیا کی ذات ہے

راہِ عرفان میں ترے در ماندہ پیکِ جستجو

آپ ہی اپنی صفات و ذات میں ہمسر ہے تو

فہم سے بالا ہے کُنہہ ذاتِ پاکِ بیمثال

عقل سے برتر صفاتِ عینِ ذاتِ لایزال

اے صفاتت عینِ ذاتِ و ذاتِ تو عینِ صفات

فی الحقیقت ذاتِ تو پاک است از عینِ صفات

کُنتُ کنزاً لطفِ تُست و مَا عَرفنا شانِ تو

ماخلقنا الجن والانس پئے اذعانِ تو

نعتِ اکمل تبِ انمزانسانبیِ الانسِ والجان

چہرۂ زیبائے عالم را نگارِ خوشنما
مُصحفِ پیغام را خاتم محمدؐ مصطفٰے
مقصدِ ایجادِ عالم۔ غایتِ ارض وسما
مظہرِ یکتائے ذاتِ بے مثال کبریا
حُسنِ عالم سوز ہیں تو غیرتِ ماہِ تمام
صدرِ بزمِ ماہرویانِ جہان تیرا مقام
شد منوّر از جمالت آسمان را بام ودر
اے زِ حُسنِ عالم افروزِ تو دنیا بے خبر
پَرتوِ نورِ ازل سے تو سراپا نور ہے
یہ حقیقت چشمِ ظاہر بین سے مستور ہے

صُورتِ رازِ نہان و معنیٔ کون و مکان

رُوحِ کُلّی منبعِ فیضانِ حق۔ جانِ جہان

گلشنِ کون و مکان کے پھُول میں بُو باس تُو

مَطلعِ الحمدللہ۔ مقطعِ وَالنّاس تُو

عقل کو تجھ سے مُیسّر افسرِ پائندگی

معرفت کو تجھ سے حاصل ارمغانِ زندگی

گلشنِ کونین میں تُو عندلیبِ خوشنوا

طائرِ سدرہ کو کیا معلوم تیرا مرتبہ

وہ ترے معراج کی اِدراک سے باہر گھڑی

ہے تری نورانیّت کی ذرّہ سی جلوہ گری

باعثِ بیداریت از خوابِ ہوش آسائے تو

بوسہ ہائے پیہم گرّوبیاں بر پائے تو

ہے سرِ عرشِ بریں پرواز تیری دم بدم
زینۂ بامِ فلک سے ہے غنی تیرا قدم

ہے دمِ عیسیٰ کا ہر اک بات میں تیری اثر
نبضِ ہست و بُود کی حرکت سے ہے تُو با خبر

ہے گلستاں کو ہوائے فصلِ گُل تیری نمود
ابرِ نیساں ہے صدف کیواسطے تیرا وُجود

حدِ امکاں سے ہے باہر مدحتِ خیرالانام
شان میں جس کی ہو قرآں اک قصیدہ لاکلام

مسندِ عرشِ مُعظّم ہی نہیں اس کا مکان
تھا گلستانِ حرا میں بھی اک اس کا آشیان

دورِ دورہ تھا شبِ تاریک کا ہر سو یہاں
جب ہوا نورِ ہدایت رہنمائے کارواں
کفر کی ظلمت اٹھی توحید ضَو افگن ہوئی
یہ ہدایت شہرِ مکّہ تک مگر محدود تھی
تھی مدینہ کی یہ قسمت نورِ حق آئے وہاں
اور مُنوّر روشنی سے اُس کی ہو سارا جہاں

تھا گُلِ لالہ کسی کا منتظر ساغر بکف
ایستادہ شاہدانِ گلستاں تھے صف بہ صف
سبزۂ نورستہ کو تھیں فرش کی تیاریاں
جا بجا پھولوں کی اس پر دلفزا گلکاریاں

اتنے میں وہ رات آئی جو رہے گی یادگار
جو کہ بستان مدینہ میں نئی لائی بہار

جب عروس شہ فلک نے اوڑھلی دیبائے شب
بادۂ گلرنگ سے خالی ہوئی مینائے شب
مشک افشاں ہر طرف تھے گیسوئے لیلائے شب
زیب بزم دہر تھی شہزادئ مشکین نسب
روشنی کی گو کواکب دے رہے تھے کچھ خبر
چھا رہی عالم میں تاریکی تھی لیکن سربسر
ہر طرف فرمانروا تھے روبہ و خرس و پلنگ
گوسفندوں پر رہ خواب و خورش تھی سخت تنگ

نقشۂ امن و امان تھا ہر طرف بگڑا ہُوا
عدل اور انصاف سے عالم تھا بیگانہ ہُوا
ماہِ کامل سمتِ مکّہ سے سوئے یثرب چلا
شش جہت میں نور سے جس کے اُجالا ہو گیا
یوں عرب کی تھوڑے عرصہ میں گئی کایا بدل
آج تک حیران ہیں اربابِ تاریخ و دول
کل جو تھے جاہل عرب وہ آج عالم بن گئے
کل جو تھے محکومِ اغیار آج حاکم بن گئے
جو نہ رکھتے تھے بسیرے کیلئے اک جھونپڑا
آج اک عالم ہے اُن کے مرتبہ کو مانتا

بزمِ بطحا میں بہ فضلِ خالقِ کون و مکان
شمع وہ روشن ہوئی روشن ہوا سارا جہان

کوہ میں اور دشت میں ہر سُو اُجالا ہو گیا
نیک طینت جو کوئی تھا اُس کا والا ہو گیا

تھا کوئی پروانہ سان شمعِ نبوت پر نثار
تھا کوئی تا زیست عہدِ اوّلین پر اُستوار

تھے وفائے عہد پر تا عُمر جو قائم رہے
مہرباں اُن پر خدائے دوجہاں دائم رہے

منقبتِ شاہِ مرداں امام الانس و الجانّ

فخرِ خیر المرسلین و نازشِ رُوح الامین
عِلّتِ اِبقائے عالم۔ خواجۂ خلدِ برین

قدرتِ اللہ کی تُو بے مثل تصویر ہے
مُصحفِ کونین کی تو بے بدل تفسیر ہے

عالمِ ادراک کے دربار کا سلطان ہے تُو
بوستانِ معنیٔ اسرار کا رضوان ہے تُو

تُو زبانِ ترجمانِ حق ہے اور دستِ خدا
عقدۂ دست و زبانِ کبریا تجھ پر کھلا

دل ترا کون و مکان کے راز سے آگاہ ہے
تُو معانی کے سما پر مثلِ مہر و ماہ ہے

تیری قوّت کے مُقر جن و ملائک اور بشر
ہے حدیثِ "لافتیٰ اِلّا علی" دیتی خبر

ڈھونڈنے ملتی نہ تھی کُفار کو راہِ فرار
نانِ جَو میں کیا رکھی ہے قوتِ پروردگار

دینِ احمد جو کہ سب ادیان میں ہے بے نظیر
تیرے علم و زہد و عرفان کا ہے وہ منّت پذیر
رعب سے نعرہ کے تیرے سب عرب ہے آشنا
خیبر و خندق کا ہے معلوم اس کو ماجرا
ہے گواہ نہج البلاغت خوش کلامی پر تری
فخر اہل فقر کرتے ہیں غلامی پر تری!
تیرے میدانِ وغا کی خوش تدابیری کو دیکھ
اور تری شمشیرِ بُرّاں کی جہانگیری کو دیکھ
تیرے منشورِ خلافت اور قضایا دیکھکر
بر سرِ منبر مواعظ اور ھدایا دیکھکر
دُھوم ہے سارے جہان میں یا علیؑ المرتضیٰ
مجمع اضداد تیری ذات ہے مثلِ خدا!

منقبت سیدِ شہدا خامسِ آلِ عبا

بے خطر باطل سے ہے جو اُمتِ خیر البشر
ہے وہ شاہِ کربلا کی استقامت کا اثر

آپ کا مضمون ہے کیسا دلگزا حیرت فزا
جس کا اِک دیباچہ ہے ہنگامۂ کرب و بلا

تھے جو پابندِ رضا آغاز سے تا انتہا
کلمۂ باقیہ کا حق نے دیا اس پر صلہ

لائے جس پر جملہ اعمالِ شریعت کو بجا
کیمیا و نسخِ گناہ کو ہے غُبار کربلا

گر پڑھے گا غور سے تو آیۂ ذبح عظیم
تجھ پہ کھل جائے گا رازِ بخششِ ربِ کریم

جُز غمِ تو ہیچ فکر و غم نشاید زینہار
المدد اے آخرین آلِ عبا را یادگار

منقبت امام صاحب الزمان

شیشۂ دل میں مرے پُر ہے شرابِ سامرہ
عرش سے بالا ہے میرے میکدہ کا کنگرہ
با خُدا۔ وہ بلبلِ باغِ محمدؐ اب دکھا
مشرق و مغرب میں ہو جسکے ترنم کی صدا
نقشِ فی القربیٰ مرے دل کے ورق پر ہے نگین
اِس نوشتہ کو کبھی کوئی مٹا سکتا نہیں
مردمِ چشمِ شریعت میں ہے مثلِ نور تو
ہے نظر سے گو عوام الناس کی مستور تو

عندلیبِ خوشنوا جب سے اوجھل ہوئی
باغ سے توحید کے شادابی و رونق اٹھی

کرگس و زاغ و زغن نے حکمت و تدبیر سے
خوشنوایان چمن کے آشیان سب لے لئے

اپنے اپنے شور سے گلشن کو ویران کر دیا
قمری و بلبل کے نغموں کا مزا جاتا رہا

جب چمن میں پھر وہی بلبل ہوئی جلوہ فگن
کوچ کر جائینگے باں سے کرگس و زاغ و زغن

مردانِ خدا

فہم سے بالا ہے شان و شوکتِ مردان پاک
ہو گئی جن کی نظر سے کیمیا یہ مشتِ خاک

ہیں وہ مُلکِ تمکنت کے شاہِ کیوان پائگاہ
جنّت الفردوس سے عالی ہے اُن کا مرتبہ

جلوہ ہائے طورِ دل موسئے باشد اگر
از عروج او بماند کوہِ سینا بے خبر

غرق تابُوتِ سکینہ کر نہ سکتا تھا کوئی
نیل کے طوفاں کی شیخی بھی ہوئی سب کرکری

غرّہ تھا نمرودِ ناداں کو شکوہ و جاہ پر
تھا خلیلِ اللہ کا سر خم خدا کی راہ پر

عشق کے دلِ سوختہ کو آگ سے تھا کیا خطر
آتش سوزاں میں رہتا ہے سمندر بے ضرر

گرچہ ماہئی حوادث مثلِ یونس لے نگل
ہیں بلا سے باختہ جاں بے ضرر آتے نکل

طائرِ طوبیٰ ہیں وہ سدرہ نشینِ طور ہیں
پنجۂ صیّاد سے اُن کے نشیمن دور ہیں

مائلِ پرواز ہو شاہینِ دل اُن کا اگر!
عرش اُن کو نقطہ سا پائینِ پا آئے نظر

تیز جاتا ہے شرارِ برق سے اُن کا سمند
عرشِ اعظم سے ہے اُنکے پاؤں کا پایہ بلند

ہم کند کارِ جہان را ہم کند کارِ خدا
مے شود در ساعتے زینت دہِ ارض و سما

ختمِ قرآں مے کند در یک نفس مردِ خدا
آیۂ بلّغ فقط در مصحفِ او گویا

خاک میں لپٹے ہوئے یکدانہ گوہر ہیں وہ
برقِ عالمتاب کے سیماب پا جوہر ہیں وہ

آنکھ میں ہو جس کی ان کا سرمۂ گردِ حرم
روئے زیبا اس کا ہو رشکِ حسینانِ ارم
انّا اللہ ہے انہی کے واسطے کہنا روا
جو مصیبت میں کبھی اُف تک نہیں کرتے ذرا
گر پڑھے گا غور سے تو آیۂ ذبحِ عظیم
جان لیگا بھیجتا صلوٰۃ ہے کن پر کریم
فتنۂ ہنگامۂ محشر سے ہیں آزاد وہ
دین و دُنیا کی عمارت کے لئے بُنیاد وہ
لامکاں کی درگہِ عالی کے وہ مسند نشین
بوستانِ دہر میں وہ رونقِ خلدِ برین
بزمِ بُستانِ جہان میں وہ ہزارِ خوشنوا
گلستانِ دوسرا کے واسطے آبِ بقا

مقصدِ فرمان سجدہ سے اُنہیں ہے آگہی
سینۂ روح الامین ہے اس امانت سے تہی
وہ صہیلِ اسپِ اعدا سے کبھی ڈرتے نہیں
جو سمجھتے ہیں کہ اُن کی مِلک ہے ساری زمیں
ہیں دمِ تقریر وہ ثابت قدم مثلِ کلیم
سینۂ صد چاک میں رکھتے ہیں جو قلبِ سلیم
بُوعلی سے گر نہ ہوتا طالبِ عفوِ خطا
شاہِ خلجی دیکھ لیتا قوتِ مردِ خدا
مرحبا۔ صد مرحبا۔ اے بُلبُلِ نغمہ سرا
گونج ہے تیرے ترنّم کی فلک پر جابجا

ہمّت

ہمّتِ مردانہ سے تعمیر کر ایسا مکان
جو ہو اپنے اوج میں پہلو زنِ ہفت آسمان
عرش سے ہم دوش ہوگا گر ترا قصرِ امل
عقدہ ہائے کامگاری تجھ پہ ہو جائینگے حل
تیری ہستی میں ودیعت معرفت کا نُور ہے
یہ حقیقت آنکھ سے تیری مگر مستور ہے
تُو شناور علم کے ہے قلزمِ زخّار کا
جو نہیں رکھتا ہے اپنی ابتدا اور اِنتہا
تُو نوائے سوزِ دل سے کر وہ ہنگامہ بپا
قافلہ والوں کو ہو تیری صدا بانگِ درا

طائرانِ قدس را چوں گلشنِ خلدِ بریں
گوشۂ تاریکِ خلوت خانۂ گوشہ نشین

خامشی چھا جائے گلشن پر تری گفتار سے
چشمِ نرگس محوِ حیرت ہو ترے دیدار سے
داستانِ عندلیب و گُل سے ہو بیزار تُو
گُل بھی تُو بُلبُل بھی تُو نغمہ بھی تُو گلزار تُو
حَسْبُنَا اللّٰہ پر رکھے تُو با شرائط اعتقاد
ہیچ ہو تیری نظر میں طُمطراقِ کیقباد
گردشِ ایّام کا تجھ کو نہ خطرہ کچھ رہے
تو اگر حبل المتیں کو ہاتھ سے اپنے نہ دے

ہاتھ میں اپنے عصائے موسوی رکھتا ہے جو

مارِ شیطانِ لعین کا کس لئے ڈر اُس کو ہو

زیرِ بارِ منتِ کم مائگاں ہرگز نہ ہو!

کر سپردِ بادِ اُن کے گنج بادآورد کو

بر زمین سیماب سان دائم مشو آتش بپا

تا شوی زیرِ زمین غیرت دہِ گنجِ طلاء

دل ترا اُمید کے پھولوں سے ہو رشکِ ارم

یاس اپنا رختِ ہستی باندھ لے سوئے عدم

خانۂ دل میں چراغِ آرزو جلتا رہے

اور ترا نخلِ تمنّا پھولتا پھلتا رہے

اور شرابِ جستجو سے تو سدا مخمور ہو
تب اثاثِ مدعا سے گھر ترا معمور ہو

ہم چناں در عرصۂ ہنگامہ و پیکار زی
گاہ باشی نادرے گاہے کنی اسکندری

دور سے عادی نہ بن نظارۂ پیکار کا
بارشِ تیر و تبر میں تو قدم آگے بڑھا

مرد ہو کر آتشِ پیکار سے ڈرتا ہے تو
شاہِ مرداں کی یہ اچھی پیروی کرتا ہے تو

بحرِ طوفاں خیز ہو یا موج کا ہو شور و شر
شیر وہ ہے تیر جائے جو کہ بےخوف و خطر

اے صعوباتِ سفر کی منفعت سے بےخبر
بسترِ راحت میں ہیں خوابیدہ صد رنجِ سفر

فی الحقیقت زندگی اُس شخص کی ہے خوشگوار
عمر کو اپنی جو دیتا ہے تنگ و دو میں گذار
باصعوباتِ زمانہ مثلِ شاہِ دیں بساز
تُو اگر داری دریں عالم ہوائے اعتزاز
ہو کنارِ گوشۂ عزلت میں جو راحت طلب
ہے وہ یارِ توبع انساں اور ایذا کا سبب
گلشنِ راحت رہینِ گلخنِ آفات ہے
نیند سے بیدار ہو۔ اب کوئی دم کی بات ہے
جاگ تو خاکِ مذلت پر ہے کیوں سویا ہوا
قافلہ اغیار کا ہے تجھ سے آگے بڑھ گیا
اِک زماں تخریب پر تیری تُلا ہے سر بسر
تو رہیگا کب تلک مستِ گراں خوابی مگر

دیر سے گر اس تگ و دو میں قدم تُو نے رکھا
پھیر لیں گے خار منہ اپنا جدھر تُو جائیگا

نھے نڑرے ہی سلفِ صالح جو جوان ہمّت رہے
جنسِ دُنیا کے مقابل میں گراں قیمت رہے
نورِ مذہب سے سدا رکھتے تھے وہ تابندگی
راست رفتاری پہ تھا اِن کا مدارِ زندگی
حق طلب کرنا سرِ دربار تھا اُن کا شعار
قائم اپنا رکھتے تھے مظلومیّت میں بھی وقار
پر ترے سر میں تو سودائے تقاضا ہی نہیں
رنگ لائیگی تری یہ ہل انگاری کہیں

تو جو مُسلم ہے تو ہو دیوانۂ آزادگی
اور غلامی کی طرف ہرگز نہ رکھ آمادگی

حیف ہے قیدِ غلامی میں رہے ہے تو گرُمدام
بازگشتِ شمس پر قادر ہوا جس کا امام

کوئی جو کچھ آج تک بہتر سے بہتر بن سکا
عزم و استقلال سے تو بھی وہی بن جائیگا

گریۂ افلاس ہو یا خندۂ فرطِ طرب
اس خوشی یا رنج و غم کا آپ ہی ہے تُو سبب

سعیِ پیہم سے ہُوا تیرا قدم کب آشنا
ورنہ ہے اِک گام کا فقر و غنا میں فاصلہ

گر تجھے حاصل نہیں ہے کامیابی کا ثمر
ہم کہیں گے یہ تری اپنی خطا ہے سر بسر

تُو عبث حیران ہے بہرِ حلِّ جبر و اختیار
اِتبیازِ خار و گُل کا آدمی پر ہے مدار
اے گرفتارِ مقدّر۔ تا بہ کے دیوانگی
سعیِ پیہم میں ہیں پوشیدہ اصولِ زندگی

ہے عروسِ عدل کا ہر چیز میں حُسن و جمال
نبضِ موجودات میں قائم ہے اِس سے اعتدال
مظہرِ احکامِ باری ہے محمدؐ کی زبان
تُو خسارے میں رہیگا۔ اے گرفتارِ گمان
قوم کوئی جب گناہوں کو ہے کرتی اختیار
اُس کو توفیقِ الٰہی روکتی ہے بار بار

گر سیاہ کاری سے اپنی وہ نہیں آتی ہے باز
دستِ ظلم اپنے نفس پر رکھتی ہے دائم دراز

آتے ہیں حق سے وبا و قحط و سیلابِ بلا
گر سنبھل جائے تو ہوتا ہے اسی پر اکتفاء

فسق اور کفرانِ نعمت کو بڑھاتی ہے اگر
دفترِ افراد کا جاتا ہے شیرازہ بکھر

باہمی پیکار کا میدان ہو جاتا ہے گرم
شرم کو بھی اس زباں کا رہی آ جاتی ہے شرم

جبکہ آ جاتا ہے اعضائے حکومت میں خلل
دیتا ہے اُن کی سیادت کو غلامی سے بدل

قہر سے وہ پادشاہوں کو پھرائے در بدر
مہربانی سے گداؤں کو بٹھائے تخت پر

آنکھ سے تُو دیکھ جو کچھ ہے جہاں میں ہو رہا
کان سے سُن جو سروشِ غرم کی آئے صدا

بات تُو لوگوں سے کر ہو جس میں تیری آبرو
لیکن اپنے آپ سے بھی تو کیا کر گفتگو

سوچ دل میں کیا ہے اب تیرے لئے چارہ گری
قوتِ بازو سے پھر بن کر دکھا مردِ جری

کھا کما کر قوتِ بازو سے تو نانِ شعیر
ہو نہ بہرِ خوانِ نعما غیر کا منّت پذیر

خود نہ دریا برائے گوہرِ مقصود جا
منّتِ غوّاص میں ہے عزّت و توقیر کیا

نیست اندر این جہان شوریدہ بختی از ازل

انحصار رنج و راحت ہست بر سعی عمل

کوہ کن بن۔ ہے تلاشِ گوہرِ مقصود گر

دیو حرماں کا نہ ہو مطلق ترے دل میں گذر

ہو چکا ہے وقف عشقِ حق دلِ گوشہ نشین

غیر کا اُس پر تصرف ہو کبھی ممکن نہیں

گر اُٹھانے ہوں وصالِ یار کے تُو نے مزے

تو فغاں کیوں واسطے ہو اور فغاں تیرے لئے

تیز اگر فرہاد سے بہتر نہیں دِل اَور جِگر

کشورِ شیریں میں ہو سکتا نہیں تیرا گذر

رمز آموزِ حوادث رفعتِ پرواز ہے
تیری جاں بازی حصولِ مدعا کا راز ہے

اب پرِ پرواز کا بھی فکر اور سامان کر
رہ چکا ہے تو قفس میں مدتوں بے بال و پر

تھا کبھی تیرا نشیمن ذروۂ عرشِ علیٰ
تابہ کَے کم ہمتی۔ اے طائرِ رشتہ بپا

راہِ ناہموار ہو۔ خارِ مغیلاں بے شمار
تُو برہنہ پا ہو۔ پر ہمّت کو تُو پھر بھی نہ ہار

کر دیا ہے گو فلک نے تجھکو مُٹھی خاک کی
ایک چنگاری ہے تیرے زیرِ خاکستر ابھی

تو اگر رکھتا ہے دل میں محشرِ سوز و گداز
گرمیٔ نالہ سے کر دے ہند کو ارضِ حجاز

اِس شرارہ سے جگر سوزی کا وہ سامان کر
مانندِ ہو جس کی تپش سے آفتاب افلاک پر
اِس قدر پُر شور ہو ہر سُونزی بانگِ درا؟
جس سے غیروں کا جرس ہو جائے سازِ بے صدا
لیلئ مقصود سے وہ قیسِ دل ہیں شاد کام
دشت کو جو ہیں سمجھتے عین راحت کا مقام

قیس کی صورت نہیں تڑپے ہی دل میں اضطرار
لیلئے مقصود ورنہ ہر طرف ہے آشکار
ہوں سوانحِ نقشِ تاریخِ جہاں وہ کام کر
تُو حیاتِ جاوداں کی رکھتا ہے خواہش اگر

مسندِ بزمِ حکومت کو ہے تیرا انتظار
ہاں بکُن تعجیل شو از خوابِ غفلت ہوشیار

سازِ فطرت کی صدا پر جو نہیں رکھتا ہے گوش
نغمۂ مرغِ سحر جس میں نہیں لاتا ہے جوش

جو سکوتِ شام کی مانند ہے مُردہ ہُوا
بزمِ دُنیا سے اُس کے کوچ کا وقت آگیا

اُٹھ کہ اب وقتِ سحر ہے روشنی ہے چارسُو
غیر تو جاگے ہوئے ہیں خوابِ غفلت میں ہے تُو

در پسِ پردہ ہے مہرِ رحمتِ ربِ جلیل
صبح کا چاکِ گریباں جس پہ ہے روشن دلیل

دیکھ آنکھیں کھول کر قدرت کا کیا ہے قاعدہ
سوچ عقلِ دُوربیں سے تُو زیان و فائدہ

دیکھتی ہے شش جہت میں جو نگاہِ ہوشیار
ہیں نکاتِ قدرتِ حق اُسپہ ہوتے آشکار
ہے چمن بھی اک صحیفہ تیری عبرت کیلئے
دیکھنے کو دیدۂ بینا تجھے پر چاہیئے
ہے گل و برگ و ثمر میں آتشِ حسنِ ایاز
تو مگر رکھتا نہیں وہ غزنوی سوز و گداز
انتہائے آرزو تیری اگر دیدار ہو
کھول دے آنکھیں مثالِ نرگسِ بیمار ہو

محوِ خود آرائی ہیں سب شاہدانِ گلستاں
محفل آرائی میں ہے مصروف سارا بوستاں

ذرّہ ذرّہ میں شرارِ زندگی کا ہے ظہور
پتّہ پتّہ آرزوئے نشوو نما ہے ناصبور
مستیٔ عیش و طرب ہے چشمِ نرگس سے عیاں
اور بیانِ زیست کو ہر برگ ہے مثلِ زباں
آبِ فوّارہ میں پنہاں ہے غضب کا اضطرار
سر کو ہے شوقِ بلندی میں پٹکتا بار بار
بوئے گُل پھرتی ہے ہر اک جا پہ اترائی ہوئی
قدر نظروں سے گری ہے طبلۂ عطار کی
بوستاں میں سیلِ بیداری تلاطم خیز ہے
نغمہ و گفتار سے موجِ صبا لبریز ہے
گر رہیں گے طائرانِ باغ سرگرمِ فغاں
باغباں ہو جائیگا اہلِ چمن پر مہرباں

تجھ کو ہے لازم کہ ہو کر ہم نوا اُن کا رہے
باغِ عالم میں اگر کچھ روز رہنا ہے تجھے

ایک ہے خورشید لیکن دیکھ رسمِ زندگی
خار بھی اُگتے ہیں اس سے اور گُلِ خوشرنگ بھی
خار کا اپنا طریقہ۔ پھُول کا اپنا چلن
مجمعِ اضداد سے ہے رونقِ بزمِ چمن
آدم و حوّا ہوئے جب تارکِ کتمِ عدم
نسلِ آدم نے رکھا بیرونِ در اپنا قدم
امتیازِ رنگ و خوں سے پاک تھی سب کی نظر
نخل سب کا ایک تھا یکرنگ تھے سارے ثمر

پاک دار آئینۂ دل را ز گردِ امتیاز
اے گرفتارِ فسونِ طرحدارانِ مجاز

گلبن و سرو و صنوبر اصل میں سب ایک ہیں
مسلم و گبر و نصارے از فطرتاً سب نیک ہیں

فاسد اعمال و خیالات اپنے کو کرتے ہیں جو
برخلافِ فطرۃ اللہ آپ ہی بنتے ہیں وہ

ایک ہیں فطرت میں یورپ انڈیا اور زنگبار
رنگ اور صورت کا ہے آب و ہوا پر انحصار

مردم آزاروں کا یارب نام تُو ایسا مٹا
ریگِ صحرائے جہاں پر ہو نہ اُن کا نقشِ پا

جو لہو سے دوسروں کے ہاتھ کو رنگیں کرے
وہ نہ انساں ہے نہ اس قابل کہ دُنیا میں رہے
دُور سے کرتے ہیں ایسے آدمی کو ہم سلام
دِل میں ہو شیطان جس کے اور زباں پہ حق کا نام
مغربی آئینہ کو تو زنگ آلودہ نہ کر
کام کی ہے چیز استعمال میں لائے اگر
تربیت اور عزم و جدت جوہرِ علم و ہُنر
لے جو بہتر ہے مگر تُو دین پر بھی رکھ نظر
بَرق سے کہدو رہے وقفِ طیورِ بوستاں
آشیاں رکھتی ہے جنّت میں ہزارِ خوش بیاں

بحرِ جتنا چاہے پُر طوفاں تلاطم خیز ہو
کشتیٔ دل کو نہ خوفِ بادِ تند و تیز ہو

دو جہاں کے میکدہ میں ہے شرابِ ناب تو
کشتِ عالم کیلئے ہے مہرِ عالمتاب تو

خوگرِ برقِ تجلّی خرمنِ دل کو بنا
پھر فنافی اللہ کی لذّت سے ہو تو آشنا

تو وہ مُسلم ہے رہا جو صاحبِ صد فخر و ناز
تا بہ کے در دِ فتارِ حلقۂ دامِ نیاز

حضرتِ حُر نے جہاں پر کر دیا ہے آشکار
امرِ حق پر اِس طرح احرار ہوتے ہیں نثار

اِس قدر پُر زور ہو تیر اسمندِ تیز گام
محوِ حیرت مدّتوں ہو آسمانِ نیل فام

جاں نثاری میں تو اپنے آپ کو ایسا بنا

سرفروشانِ جہاں میں نام ہو تیرا بڑا

زخمہائے جاں گدازِ ناوکِ قوسِ بلا

چہرۂ زیبائے دل را غازۂ گلشن نما

مسند آرائی کی لذت سے نہیں جو آشنا

خاکِ ذلت میں رہیگا وہ مثالِ نقشِ پا

ہے یہی روزِ ازل سے سنّتِ پیرِ مغاں

درخورِ ہمت ملا کرتا ہے پیمانہ یہاں

بند یہ بابِ طلسمِ ماسوا ہو جائے گا

عقدۂ دل کو اگر ہمت سے تو نے وا کیا

جلوہ آرا قعرمیں جو گوہرِ مقصود ہے
ساحلِ دریا پہ اُس کی جُستجو بے سود ہے
دست و بازو چشمِ بینا۔ اور عقلِ نکتہ داں
جہد کے سامان سب تجھ کو میسّر ہیں یہاں
پیشۂ مسلم رہا ہے۔ سرفروشی۔ صفدری
رہتی تھی کسریٰ و قیصر کے بدن پر تھرتھری
تُو رکھے برقِ صداقت کو اگر آتش فشاں
خرمنِ باطل کا مِٹ جائیگا عالم سے نشاں
تھا حبیب ابنِ مظاہر ایک مردِ بے نشاں
آج اُسکے نام کو ہے جانتا سارا جہاں
مرحبا۔ بادِ مخالف۔ مرحبا۔ صد مرحبا
دِل مِرا تجھ سے رہا کرتا ہے ہمت آزما

ایک جگنو کی چمک سے گلستاں روشن ہوا
ہے بشر کے واسطے یہ کس قدر ہمت فزا
خاک میں تیری ہویدا شوق وہ پیکار کا
تو گلولہ بن کے سینہ چاک کر اغیار کا
ہاتھ میں اپنے اگر طاقت رہی تو بیگماں
ہم اڑا دیں گے گریبان فلک کی دھجیاں
بزم میں لطف و محبت کی شمع کو تو جلا
رزم میں شمشیر خوں آشام کے جوہر دکھا
ملک گیری شاہ کو تیغ و علم کے زور سے
اور شاعر کو جہانگیری قلم کے زور سے

اُس نے ہر اک آدمی کو ایک سا دل ہے دیا
اب تری ہمت پہ ہے بیوقوف تو بنتا ہے کیا

کیا سبق آموز ہے تجھ کو خُدائی انتظام
دیکھ اورنگِ ہمایوں پر ہے پاپوشِ نظام

بوستاں میں اس طرح رہ اے گُلِ رنگین بدن
ہو پریشانی بھی تیری زینتِ صحنِ چمن

ہو چکا ہے پُختگی کا۔ اے گُہر۔ تجھ میں ظہور
چاک کر بطنِ صدف کو دیکھ پہنائے بحُور

پاک ہو علم و عمل میں اس قدر تیرا وجُود
دیکھ کر تجھ کو پڑھیں آلِ محمّد پر درُود

غنچۂ دل کو نسیمِ صبح نے جو کہدیا
ہم تجھے اک شعر میں وہ بات دیتے ہیں بتا

اہلِ گلشن کا ہمیشہ راہنما بن کر دکھا
رمزِ ہر گل کو گریباں چاک کرنے کی سکھا

صُبح

رات نے ہے جامۂ ماتم دیا اپنا اُتار
صبحِ خنداں کا رُخِ روشن ہُوا ہے آشکار
اب طلسمِ ظُلمتِ شب ہو گیا کافور ہے
روشنی کے سحر سے سارا جہاں مسحور ہے
ہو رہی ہے بلبلِ شیریں بیاں مستِ نوا
طوطیٔ شکر فشاں کے ہیں ترانے دِلربا

طائرانِ باغ ہیں نغمہ سرا بے اختیار
ہے بپا شورِ قیامت درمیانِ شاخسار
شور و غل ہے آبشاروں نے اُٹھایا ہر طرف
بج رہے ہیں جا بجا گویا ربابِ نائے و دف
دیکھنے میں چُپ کھڑے ہیں باغ کے دیوار و در
رکھتے ہیں ہنگامۂ خاموش لیکن سربسر
ہے رُخِ لالہ پہ شبنم کی نقابِ زرنگار
گیسوئے سنبل نظر آتے ہیں کیسے تابدار
گرمیٔ آواز سے نقّار خانہ ہے چمن
اور گُلِ لالہ مثالِ برق ہے شعلہ فگن

گوشہ نشین

محو ہو یادِ خدا میں تو اگر شام و سحر
گوشۂ تاریک میں بے منّتِ شمس و قمر
حرمت و تعظیم میں تو آسماں سے ہو بلند
آتشِ رُخ پر ترے ہو جانِ انس و جاں سپند
شور ہو تیری کرامت کا جہاں میں چار سُو
ہیچ ہے تیری بزرگی تو اگر ہے ترشرو

وصلِ صنم

بوستانِ دہر میں گُل کی وہ رنگ آرائیاں
اور نازِ حُسن کی وہ دِلرُبا رعنائیاں

وہ متاعِ قلبِ عاشق اور وہ برقِ جمال
عاشق و معشوق ہیں وہ رازدارانہ مقال

بلبل و گل ہوں مساوی تشنۂ آبِ وصال
ایک کے رنج و الم ہیں دوسرے کو ہو ملال

ہو دلِ گل میں وفا کا پھر تلاطم موجزن
ابرِ نیساں کی ہوائے سرد ہو توبہ شکن

ہو لبِ جو اور خلوت اور شغلِ ناؤنوش
آسمانِ پیر ہو اس عیش پر حیرت فروش

غور سے دیکھو تو یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں
زہر ہے اس جامِ زرّیں میں بجائے انگبیں

تیرے نالے میں عبث اے بلبل کوتاہ بیں
نام تک گل میں کہیں مہر و محبت کا نہیں

زلف کی ہر ایک حالت سے سدا ڈرتے رہو
ہو پریشاں بھی تو کردے نیم جاں عشاق کو

کیا دکھاتا ہے انہیں ناز و نزاکت۔ اے ایاز
غزنوی دلدادگی رکھتے نہیں اہلِ حجاز

شامتِ اعمال

تو اگر آزار کا اوروں کے ہوتا ہے سبب
ہے بجا۔ تو بھی ہے گر موردِ قہر و غضب

صید گاہ جس باز کی دائم رہی اوجِ سما
دیکھتا ہے آج اس کو تو یہاں رشتہ بپا

کیا عجب گر ہو اسیری قسمتِ صیّاد میں
مدتوں بلبل تھی جس کے پنجۂ بیداد میں

ایک دن ہوگا خلش سے خار کی زاری کناں
کر دیا برباد جس گلچیں نے سارا گلستاں

ظلم کا انجام دردِ جاں ہے اَور اندوہِ دل
جبر و استبداد ہوتے ہیں سدا خوار و خجل

حق کسی کا چھین کر تُو۔ گو ہُوا شاہِ جہاں
تُو اُٹھائیگا ابد تک لعن کا بارِ گراں

کیا مُحمّد شاہ کو تھا تحفۂ نادر ملا
دیکھئے۔ تجھ کو ملے کیا عیش و عشرت کا صلہ

دین کو قربان دُنیا پر اگر کرتا ہے تُو!
یومِ آخر پر یقین گویا نہیں رکھتا ہے تُو

دوسروں کے حال پر دورِ فلک ہے مہرباں
خرمنِ مسلم کو ہی کیا وقف ہیں یہ بجلیاں
خرمنِ عصیاں فراہم کردۂ اہلِ شباب
ایک دن ہوتا ہے نذرِ شعلۂ برقِ عتاب
تو گرے چاہِ سیاہ کاری میں یا جائے سنبھل
تیرا اپنا ہے ارادہ اور ترا اپنا عمل
خاندانِ زارِ جوائب بکیس و بے حال ہے
قہر ہے اُس پر خُدا کا شامتِ اعمال ہے
زندگی بھر جو خدا سے مضحکہ کرتا رہے
ایک مُدت تک رگڑ کر ایڑیاں مرتا رہے
تا بہ کے ایں خودسری۔ اے جابرِ با اختیار
ہاتھ سے چھن جائیگی تیرے عنانِ اقتدار

ڈوبنے والے ۔ نہایت بیکسی میں ڈوب جا
کب نکالا تھا کبھی تو نے کوئی ڈوبا ہُوا

بے خبر ہے کس قدر تو ۔ اے گرفتارِ غضب
دردِ سر بھی ہو نہیں سکتا کسی کو بے سبب

کیا ملا کرتی ہے دُنیا میں گناہوں کی سزا
شاہجہاں پر راز یہ تھا قید خانہ میں کھُلا

جس ہوا سے بزمِ عیشِ قافلہ برہم ہوئی
آہ تھی پسماندہ بے یار کی آندھی نہ تھی!

ناخُدائی ناخدا ہو کر جو تُو کرتا نہیں
گریۂ ساحل نشین طوفاں نہ ہو جائے کہیں

بج رہا ہے بزمِ دل میں میرے وہ سازِ سروش
ہو گئے ہیں طائرانِ قدس بھی جس سے خموش

رِند کی وصیّت

میکدہ کے پاس سے اِک دن ہوا میرا گذر
ایک رندِ باخدا مجھ کو وہاں آیا نظر

حالتِ نزع میں تھا وہ۔ ساکنانِ میکدہ
مجتمع تھے سب وہاں بالواسطہ بے واسطہ

آہ کھینچی۔ آنکھ کھولی۔ اور لگا کہنے انہیں
دفن کا ساماں مرے میری وصیّت پر کریں

گردِ راہِ میکدہ آنکھوں میں میری ڈال دیں
خاکِ پائے ساقیٔ مستاں مرے مُنہ پر ملیں

پھر شرابِ ناب سے دیں غسل مجھکو باربار
اور پھرائیں گردِ میخانہ مجھے دیوانہ وار

پائمالِ میکشاں ہو جو ہمیشہ آستاں
دفن کردیں نعش کو غیر از کفن میری وہاں
جب کبھی میں یاد میں صہبا کشوں کی آؤنگا
خُم کے خُم گویا شرابِ ناب کے پی جاؤنگا

شراب خواری

داستاں کرتا ہوں اک مینحوار کی زیبِ رقم
کانپتے ہیں جس کے لکھنے سے مرے دست و قلم
ایک آبادی میں تھا اک نوجوان مالدار
قوم میں اپنی وہ رکھتا تھا بہت عزّ و وقار
دلپسند اور نیک تھیں گو عادتیں اُس کی تمام
میکشی کو وہ سمجھتا تھا مگر جُزوِ طعام

ایک شب وہ حالتِ مستی میں بستر سے اُٹھا
پاس اپنی دختر فرخندہ اختر کے گیا
ہوش میں آکر ہوئی گویا کہ ہاں فرمائیے
دودھ لاؤں یا کہ پانی۔ آپ کو کیا چاہیئے
کچھ نہ سمجھا وہ کہ اُس کو کوئی ہے کیا کہہ رہا
عقل پر میخوار کی گویا تھا اِک پردہ پڑا
ہاتھ لڑکی کی طرف اُس کا بڑھا دیوانہ وار
یک بیک قہر خدا لیکن ہوا واں آشکار
پاؤں کے نیچے سے اُسکے پھٹ گیا فرشِ مکاں
رہ گیا قاروں صفت اُس کا فقط نام و نشاں
دُور بھاگ اِس میکدہ سے۔ ہے اگر کچھ ہوشیار
ورنہ ہو جائیگا تو بھی دُختر رز کا شکار

احسان فراموشی

باکرہ عورت تھی اک باشندۂ شہر ختن!
پست قامت، خوبصورت اور نہایت بدچلن

گو کئی شیدائیوں کی تھی وہ منظورِ نظر
ایک عاشق کو نہ تھی پر دوسرے کی کچھ خبر

راز افشا ایک دن قدرت نے اُس کا کر دیا
ہو گئے اہلِ وطن اُسکے چلن سے آشنا

خوار اور رسوا لگے رکھنے جو اُس کو مرد و زن
اِک فقیرِ باخدا سے یوں کیا اُس نے سخن

نامِ مولا، میری حالت پر عنایت کیجئے
خادمہ کو اپنے دامانِ اماں میں لیجئے

در پہ آئی ہوں تمہارے میں بصد صدق و صفا
عفو ہو میری خطا حق سے کریں یہ التجا
آبدیدہ اُس کی حالت پر ہُوا وہ پارسا
اور اُٹھائے ہاتھ اپنے رحم سے بہر دعا
حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے بندے مرے
بخش دی میں نے خطا اِسکی تمہارے واسطے
ہو گئی اِس پارسا کی وہ مرید جاں نثار
گرد اِس کے وہ پھرا کرتی سدا پروانہ وار
سو رہی تھی ایک دن وہ ۔ پارسا تھا پھر رہا
پارسا کا پاؤں اُس کے پاؤں سے ٹھکرا گیا
جاگ اُٹھی اور تلملائی اِس قدر وہ بدگہر
دونو آنکھوں میں وہیں اُس کے لہو آیا اُتر

شور و شر اپنے یگانوں میں کیا اُس نے بڑا
پارسا کی مہربانی کو دیا اُس نے بُھلا

پارسا کو جب ہوئی معلوم یہہ فتنہ گری
مُسکرایا اور کہا۔ یہ آزمائش ہے مری

ہوگئی وہ از سرِ نو عادتِ بد کا شکار
عاشقانِ زار کو اُس کے یہی تھا انتظار

حُسنِ خدمت سے رکھے تُو شاد محسن کو اگر
محسنِ صادق کرے احسان تجھ پر بیشتر

سُود خواری

سُود خواری پر فدا تھا اِک رئیسِ مال دار
شکل و صورت میں مگر تھا پارسا اور دیندار

گفتگو میں ناصحِ مشفق نظر آتا تھا وہ
دام میں اپنے مگر ہر ایک کو لاتا تھا وہ
دن چڑھے قرآن پڑھتا تھا بہ آوازِ بلند
تا نگاہِ خلق میں وہ نیک ہو اور دل پسند
گو خیانت کیطرف بھی ہاتھ وہ رکھتا دراز
سود خواری میں مگر حاصل اُسے تھا اِمتیاز
مال و دولت جب ہوا افزوں سبھی اسکا سوا
کوسِ رحلت کی تب آئی کان میں اُسکے صدا
کر چکے اُس کو سپردِ خاک جب اہلِ عزا
شعلۂ نارِ جہنم قبر سے اُس کی اُٹھا
لوگ ہر جانب سے دوڑے دیکھ کر یہ ماجرا
قبر پر اُس کی تھا گویا ایک میلا سا لگا

ایک ہی بیٹا تھا اِس ملعون و ناہنجار کا
دیکھ کر یہ صورتِ حالت وہیں تائب ہوا

اصلِ زر اُس نے وصول اپنا کیا بیشو سب
ہو گیا حالت پہ اُس کی اسقدر تب فضلِ رب

حاکمِ اعلیٰ رہا جب تک کہ وہ جیتا رہا
عدل اور اخلاق کا اُس کے بہت چرچا رہا

دیدۂ عبرت سے بہرہ ور رہیگا تو اگر
حادثاتِ دہر سے ہوگا نہ کچھ تجھ کو ضرر

ایک پودا

قدرتِ مولا سے زیبِ باغ اِک پودا ہوا
بوئے خوش سے رشک تھا جو طبلۂ عطّار کا

مُنتشر اُس کی ہوئی خوشبو ہوا سے جابجا
صحنِ گلشن میں وہ مثلِ نافۂ آہو ہوا
آسماں نے دیکھ کر اس گوہرِ شاہوار کو
مُستعد اُس کی تباہی پر کیا اشجار کو
رات دن ہونے لگیں اشجار میں سرگوشیاں
آؤ ہم اس کا مٹائیں باغ سے نام و نشاں
ایک نے اپنی گھنی شاخوں سے یہ ساماں کیا
روشنی خورشید کی اس کو نہ دی جائے ذرا
دوسرے نے ضرب سے کانٹوں کی اپنے بار بار
جسم اُس کا کردیا غربال ساں سوراخ دار
تیسرا اِس کام میں سب سے بُرا ثابت ہوا
بند پانی ہر طرف سے باغ کا اس پر کیا

ابرِ باراں بھی اگر رہتا نہ اس پر مہرباں
مدتوں سے ہوگیا ہوتا وہ بے نام و نشاں
اِن درختوں سے رہا وہ ایک مدت تک گھِرا
جس طرح گوشہ میں ہو گوشہ نشیں کوئی پڑا
قدرتِ حق شکلِ طوفاں میں ہوئی جلوہ نما
اِن درختوں کو گِرا کر کر دیا اُس سے جُدا
بہنِ گلشن کی جو اِس پودے نے اب کھائی ہوا
رنگ و صورت میں ہوا وہ خوشنما اور دلربا
ہر طرف سے آئے اس پر طائرانِ بوستاں
بن گئے شاخوں پہ اُسکی آشیاں پر آشیاں
تُو بھی گر رنج و تعب میں صبر پر قائم رہے
خالقِ ارض و سما فضل و کرم تجھ پر کرے

اثمار

کیا سبق آموز ہے دو بھائیوں کی داستاں
گوشِ شنوا سے سنیں میرا سخن اہلِ جہاں
اپنے اپنے گھر لگایا دونوں نے اک اک شجر
دل میں تھی خواہش یہ لائینگے کبھی برگ و ثمر
پاسبانی میں شجر کی ایک بھائی صبح و شام
منہمک رہتا یہاں تک خواب تھی اس پہ حرام
پرورش میں اسکی کرتا صرف وہ مالِ حلال
سازِ شاخ و برگ سے افزوں ہوا اسکا جمال
اس قدر پھولا پھلا - لایا کچھ ایسا وہ ثمر
اس کے پتوں کے عوض دیتا تھا عالم سیم و زر

دوسرا بھائی ادائے فرض میں قاصر رہا
قدوقامت میں شجر اُس کا بہت کم بڑھ سکا

پرورش میں اُس کی کرنا خرچ وہ مالِ حرام
قیدِ حکمِ شرع سے آزاد تھا وہ بے لگام

گو شجر قانونِ قدرت سے ہوا وہ بارور
اور بظاہر پاک اور بے عیب تھے اُس کے ثمر

راز یہ وقتِ خریداری زمانے پر کھُلا
تھے ثمر سارے کے سارے اُس شجر کے بدمزا

دیدۂ بینا تمہیں قدرت سے حاصل ہو اگر
درسِ عبرت ہے تمہارے واسطے یہ سربسر

حافظِ حقیقی

ایک جنگل سے جو گذرا ایک مردِ پارسا
دوپہر تھی گرمیوں کی۔ سایہ تھا اشجار کا
کچھ تھکا ماندہ تھا وہ۔ دشوار تھی راہِ سفر
طالبِ راحت ہُوا وہ ٹھنڈی چھاؤں دیکھکر
حفظِ جاں کیواسطے کی پھر نماز اُس نے ادا
اور بلا خوف و خطر مستِ گرانخوابی ہوا
ایک افعی کی پڑی اُس مردِ خفتہ پر نظر
خواہشِ ایذا رسانی آئی اُس کی جوش پر
اِک قدم اُس نے اُٹھایا تھا بقصدِ مشکل کہیں
پنجۂ فولادمیں وہ شیر کے آیا وہیں

دستِ قدرت نے وہاں کو کیا سے کیا کچھ کر دیا
بہشتی میں وہ فقیرِ باخدا سو یار ہا

اہلِ جنگل مانتے اُس شیر کو اپنا امیر
قہر میں غیظ و غضب میں وہ نہ رکھتا تھا نظیر

دُم ہلاتا پیستا دانتوں کو۔ غرّاتا ہُوا
اُس مسافر کی طرف وہ شیر بے خدشہ بڑھا

اِک شکاری نے اُسے جو تیر مارا جوڑ کر
گر پڑا دھم سے زمیں پر۔ رہ گیا دم توڑ کر

جاگ اُٹھا تب نیند سے وہ پارسائے باخدا
مسکرایا آنکھ سے یہ دیکھ کر سب ماجرا

جو سپردِ حافظِ صادق کرے اپنے امور
کامِ دل حاصل کریگا دو جہاں میں وہ ضرور

شعرا

طائرانِ باغِ عالم اُن کے ہیں منّت پذیر
خوشنوائی میں مسلم وہ ہزارِ بے نظیر
آپ ہی رنگیں بیانی میں ہیں وہ اپنی مثال
ذات پر انکی ہے اکرامِ خدائے ذوالجلال
ہیں فدا اُنکے ترنّم پر سبھی اہلِ جہاں
گونجتی ہیں گوشِ دل میں اُنکی نغمہ ریزیاں
اُن کے صدقہ سے گلستانِ جہاں آباد ہے
اُن کے ہی دم سے دلِ اہلِ زمانہ شاد ہے
باغِ عرفاں میں مثالِ غنچۂ خنداں ہیں وہ
نکتہ سنجانِ جہاں کو چشمۂ فیضاں ہیں وہ

حُسنِ معنی میں سراپا نور ہے اُن کا بدن
قلزمِ انوار اُن کے ہر سخن میں موجزن

بوستانِ نظم میں وہ جب ہوئے رونق فروز
طائروں کا ہو گیا پھیکا سے کیا ساز اور سوز

اہلِ ظاہر کیلئے وہ باعثِ صد ناز ہیں
اہلِ باطن کی نظر میں وہ سراپا راز ہیں

خوشنوایانِ چمن کے وہ رہیں گے دلربا
اور رہیں گے باغِ عالم میں سدا نغمہ سرا

عشق

عشق میں ہر دم رہے تو خوگرِ آہ و فغاں
ہو کبھی دل اور کبھی تیری زباں شعلہ فشاں

نعمتِ عظمیٰ ہمے دانی تو ایں مال و منال

ہست مالِ فقر لیکن بہترین و بے زوال

ایک ہی گُل کیلئے گو بلبلیں ہوں بیقرار

فیصلہ ہو گا تیری طرزِ فغاں پر۔ اے ہزار

اصلِ ننگ و نام کی گر شیخ کو ہوتی خبر

آستانِ میکدہ پر عمر کر دیتا بسر

زہد کو ترجیح دیتا ہے جو واعظ عشق پر

ہے سمجھتا اصل کو بہتر فرع سے بے خبر

آہوئے مشکیں سے کب خالی ہوئی ارضِ ختن

تو مگر رکھتا نہیں اہلِ نظر کا سا چلن

اے دلِ فرہاد تجھ میں نہیں ہے اضطرار

ورنہ شیریں خود بخود آئے کھنچی بے اختیار

جانتا ہے عشق کی سب منزلیں گوشہ نشیں
یہ مکاں ایسا ہے جس کا کوئی بھی درباں نہیں

معدنِ دل کھود کر تو نے کبھی دیکھی نہیں
لعل و گوہر جابجا مستور ہیں ورنہ نہیں

سوختی پروانہ را۔ اے چراغِ بے خبر
نیست مشکل۔ خاکِ او پروانہ ہا گردد اگر

دَورِ ساغر مے رسد از فیضِ ساقی چوں ہما
ما نمے دانیم آں دم کاوشِ انجام را

چوں شوی در دشتِ عرفاں ذرۂ از گردِ راہ
آسماں تمکنت را میشوی چوں مہر و ماہ

ایں فسانہ را بگو با زاہدِ خلوت نشیں
آں بُتِ رعناست دائم در پسِ پردہ نشیں
جو بشر ہوتے ہیں نکتہ آفریں نکتہ شناس
کرتے ہیں بہرِ دعا پیرِ مغاں سے التماس
چاک کرتی ہے مرے سینے کو تیری داستاں
اے دلِ بیمار۔ہم ڈھونڈیں مسیحا کو کہاں
زائرِ کعبہ۔خدا تیرا سدا یاور رہے
کعبۂ مقصود لیکن اُس سے ہی کوسوں پرے
تو اگر راہِ طریقت کر چکا ہے اختیار
غولِ صحرا کے فریبوں سے بھی رہنا ہوشیار
ایک لحظہ کیلئے غافل اگر ہوتا ہے تو
آبرو اپنے دلِ بیدار کی کھوتا ہے تو

جو وصالِ یار سے شام و سحر ہیں شاد کام
ہُدہُد و بادِ صبا کو وہ نہیں دیتے پیام

خاک دانِ دہر میں وہ خاک ہو کر تو دکھا
چشمِ عالم کیلئے تو ہو مثالِ تو تیا

ہست واعظ از رہِ کوئے صنم بیگانہ
ما نمے دانیم قُرب و بُعد جز افسانہ

میں بتاتا ہوں تجھے جو کچھ کہ ہے گوشہ نشیں
خوش خیال و خوش نہاد و بے ریا عزلت گزیں

آج ہم کرتے ہیں تجھ سے ایک عہدِ اُستوار
ترکِ بادہ ہم کریں گے۔ ناصحا بعد از بہار

میں تو ہوں موتی کا طالب پر تجھے میری طلب
اے نہنگ بدگہر۔ اِس بیر کا آخر سبب
منزلِ مقصود کو رکھتے ہیں جو پیشِ نظر
مشکلاتِ راہ کا ہوتا نہیں اُن پر اثر
منّتِ عیسیٰ اُٹھاتا ہے گرفتارِ مرض
صاحبِ دردِ محبت کو ہے اس سے کیا غرض
رات کو قندِ ریاضت سے رہو شیریں دہاں
لعلِ شکّر بار میں یہ لطفِ شیرینی کہاں
عشقِ حق میں سر بسر ہو جا گلِ باغِ بقا
نرگسِ مستِ صنم کی دید میں ہے کیا رکھا
تو اگر اُس پر رہیگا جان اور دل سے فدا
تیرے قول اور فعل ہو جائینگے سارے حق نما

ماسوا ہو جائے گر تیری نظر سے کالعدم
سرحدِ بیم و رجا سے ہو ترا باہر قدم
سازِ دل کو چھیڑ تارہ عشق کے مضراب سے
محو ہو جائینگے دنیا کے کسی دن خرخشے
میں ترا ہو جاؤں۔ مجھ پر مہرباں ہو جائے تُو
ہے یہی گوشہ نشیں کی انتہائے آرزو

جو ازل سے بادۂ توحید سے سرشار ہیں
وہ خیالِ غیرِ حق سے تا ابد بیزار ہیں
گلستانِ عشق کی پوچھے کوئی ہم سے خبر
یاں خزاں کے سحر کا ہوتا نہیں کوئی اثر

شان کیا ہے میکدہ کی اور کیا ہے آبرو
ڈھونڈتا پھرتا ہے ساقی میکشوں کو کوبہ کو

آشنائے را بود چوں آشنائے راز دار
مُہرِ لب ہر آن مے گردد متین و اُستوار

چوں ز سرِ دہر چیزے گو مت خندہ مزن
بُوئے خوش آید بروں از عقدۂ مشکِ ختن

کیفِ صہبائے حقیقت کچھ کہا جاتا نہیں
ماجرا اُس کا لبِ گفتار پر آتا نہیں

شد دلم بیزار از طولِ کلامت ناصحا
ماجرائے عشق بیروں است از چون و چرا

اِس شرابِ روح پرور کو اگر زاہد پئے
میکدہ کے وہ در و دیوار کو سجدہ کرے

تُو رہا ۔ گوشہ نشین بطنِ صدف میں عمر بھر
اب پرکھنے کو ترے ہو جوہری کی سی نظر

مے خوری از دستِ سالک گر شرابِ آتشین
بہشود باغِ دلِ تو غیرتِ خلدِ بریں
نرگسِ شہلا کا افسوں اب نہیں باقی رہا
بادۂ عشقِ حقیقی ۔ ساقیا ۔ ہم کو پلا
تیرِ غمزہ کا کبھی ہوتے نہیں ہیں وہ شکار
پی رہے ہیں جو شرابِ الفتِ پروردگار
جو بشر رکھتے ہیں دل میں طاقتِ صبر و شکیب
وہ سرابِ حسنِ جاناں سے نہیں کھاتے فریب

نُورِ بادہ سے ہمارا جامِ دل معمور ہے
ظلمتِ عصیاں یہاں سے ہو چکی کافور ہے

عِشق کے دربار میں تو ہے اگر مسند نشیں
نام تیرا دفترِ عالم سے مِٹ سکتا نہیں

رند کو حاصل جلائے قلب سے پائندگی
شیخ کو آرائشِ تن سے قیامِ زندگی

حجرۂ زاہد کے ہم پر رازِ مخفی ہیں عیاں
واں مے عرفاں کا مِلتا ہی نہیں نام و نشاں

زندگی بھر روشنی سے دل ترا خالی رہا
اِس چراغِ مردہ سے تُو ڈھونڈتا پھرتا ہے کیا

گر پلانی ہے تو اپنے ہاتھ سے۔ ساقی۔ پلا
بارِ احسانِ مغاں کس سے اُٹھایا جائیگا

آ ہوئے مقصد کو تیرے پاس ہوں میں دیکھتا
کوہ و صحرا میں اُسے تُو ڈھونڈتا پھرتا ہے کیا

آنکھ پھر غیرِ خدا کو دیکھتی ہے۔ ساقیا
ساغرِ مے از سرِ نَو دے ہمیں بہرِ خدا

کیا اُسے دیدارِ لیلیٰ بھی کبھی حاصل ہُوا
تُو نقوشِ محملِ لیلیٰ پہ ہی مائل رہا

خامشی، عزم، استقامت۔ جاندہی سَوز و گداز
سیکھ پروانہ سے۔ اے غافل۔ تُو آدابِ نماز

خدمتِ انساں میں تُو کوشاں رہا۔ گوشہ نشیں
آ رہی ہے آسمانوں سے صدائے آفریں

گردشِ ایام سے نسبت نہیں رکھتا ذرا
دوش ہے امروز اور امروز ہے فردا ترا
در گلِ تو امتزاجِ جوہرِ آبِ حیات
ہستئ تو بے نیاز از بُرّشِ تیغِ ممات
چار دن کی ہے اگرچہ اِس جہاں میں زندگی
پیش خیمہ ہے مگر یہ تیرے اِستمرار کی
بحرِ اُلفت کی کوئی تیراک سے پوچھے خبر
ڈُوب کر جس میں ملا کرتا ہے یک دانہ گہُر
صرصرِ آفات سے کہدے تو اے گوشہ نشیں
آتشِ دل کو کبھی کوئی بجُھا سکتا نہیں

بزمِ عالم میں اگر تو شمع ساں جلتا رہے
موتیوں سے دامنِ محفل کو تو بھرتا رہے
اِس گداز و سوز سے گو تو فنا ہو جائے گا
نام تیرا ہر زمانہ میں زباں پر آئے گا

شاہدِ سیمیں عذار و ابرِ نیسان و شباب
ساغرِ مے۔ جائے خلوت ساحلِ رودِ چناب
بوئے سبزہ عنبر افشاں آبِ باراں خاکروب
اندریں کیفیتے گوشہ نشینے پائے کوب

آسماں کی شمع افروزی کہاں اور دل کہاں
نورِ مہر و ماہ ذرّا سا نظر آئے جہاں

کیا ہوا بادِ خزاں گر باغ میں چلتی رہی
خاکروبی موسمِ گل کے لئے کرتی رہی

کعبۂ دل کے اگر گوشہ میں ہو تیرا مقام
ہو سدا قربان تجھ پر کعبۂ عرش احترام

ناز ہے جنّت کو اپنے حسنِ مہر افروز پر
بے خبر ہے وہ دلِ مجروح سے تیرے مگر

نغمۂ سازِ ترنم ریزیٔ بلبل ہے تو
تیرے دم سے میکدہ میں منظرِ جام و سبو

جو نگاہِ دوربیں سے ہو رہے ہیں فیض یاب
کرمکِ شبتاب میں وہ دیکھتے ہیں آفتاب

کر نکاتِ معرفت کو اِس طرح زیبِ رقم
چُوم لیں شیخ و برہمن دوڑ کر تیرے قدم
آتشِ دل سے اگر پیدا کرے تو آفتاب
آفتابِ آسماں بھی اوڑھ لے رُخ پر نقاب
گنبدِ گردوں میں سیّارے نہیں ہیں آشکار
میری آہِ آتش افشاں کے ہیں یہ گویا شرار
ہم نہیں شیخِ زمانہ کا بتائیں کیا پتہ
منزلِ حیرت میں ہوگا وہ کہیں حیرت زدہ
بادۂ عشقِ خدا سے جو بشر سرشار ہیں
گو بظاہر مست ہیں۔ در اصل وہ ہوشیار ہیں
تیرے دل کی لغزشِ مستانہ ہے کیا دلربا
جنّت الفردوس کے ہیں شعلہ رُو جس پر فدا

اگر چکے ہیں عشق سے جو سینہ و دل کو کباب
آتشِ دوزخ سے ہو اُن کو کہاں خوفِ عذاب
عشق کی کرتا رہیگا طے اگر تو منزلیں
خاک سے تیری بنیں گی تا قیامت مسجدیں
ہم بتا دیتے ہیں تجھ کو زخم کا تیرے علاج
اور گر گھبرا اُسے۔ یاں ہے یہی رسم و رواج
زاغ کیا جانے کسے کہتے ہیں آہنگِ نوا
خوب اِس کو جانتی ہے بلبلِ نغمہ سرا
زندگی۔ اے قیس تیری رائگاں ہو گی بسر
وصلِ لیلیٰ سے اگر خالی رہا تو عمر بھر
بوالہوس پہلو میں تیرے کیمیا موجود ہے
جستجو گوگردِ احمر کی تجھے بے سود ہے

سینچتا آبِ بقا سے ہے اِسے شام و سحر
نخلِ دل گوشہ نشیں کا ہے خزاں سے بیخطر

دل کے آئینہ میں تیرے ہو اگر وہ لامکاں
آئینگے دیدار کو تیرے امیرانِ جہاں

بہرِ یادِ حق رہیگا تو اگر عزلت گزیں
بزمِ عالم میں بنے گا ایک دن مسند نشیں

یافتی گنجینۂ از میکدہ۔ اے ہوشیار
کز فراوانی ست۔ بے پایان و بیحد و شمار

تو کرے گر غور سے اِس کارخانے پر نگاہ
شاہدِ قدسی ہے تیرا منتظر صبح و مسا

وہ کمال اپنے میں ہے جبکہ مسلم لازوال
کیا نہ ہوگا اُس سے مگر تو بھی اک دن لازوال

حاضری کر تو نماند غائبے اندر حجاب
غائبی۔حاضر بماند با تو دائم ہمرکاب

اے خیالِ یادِ حق کے طائرِ نغمہ سرا
جانفزا ہے کیا زا گلزارِ دل میں چہچہا

جو بشر رازِ بقا سے ہو چکے ہیں آشنا
بہتری پر ہیں بشر کی وہ سدا رکھتے نگاہ

نارِ دوزخ کا نہ ہو تجھ کو کبھی وہم و گماں
خواہشِ جنّت میں ہی سوداگری ہوتی عیاں

مرضیٔ اللہ کو تو رکھ سدا پیشِ نظر
اہلِ ظاہر خود تری عظمت سے ہونگے باخبر

تو اسیرِ حلقۂ پندار رہتا ہے اگر
کیفِ حالت سے نہیں ہوگا کبھی تو بہرہ ور

جب سے میخانہ بنا ہے اور یہ جام و سبو
میکشوں میں ہے اُسی دن سے ہماری آبرو

صرف ہو جو یادِ حق میں زندگی ساری تری
ہو ترے انوار کی آفاق میں ضَو گستری

حسنِ گل ہوتا رہا اِس طور سے گر آشکار
گلشنِ عالم کبھی ہوگا نہ محروم ہزار

تخلیہ میں اور شبِ تاریک میں یادِ خدا
مردمِ چشمِ حسیناں کی طرح ہے دلربا

ضبطِ رازِ فیضِ حق ہے استقامت کی دلیل
ہے چٹکنا بھی کلی کے واسطے بانگِ رحیل

محو جو رہتے ہیں اُس کی یاد میں صبح و مسا
ساکنانِ قدس بھی کہتے ہیں اُن کو مرحبا

بادۂ توحید سے سرشار ہو گر دل ترا
ہو زباں تیری کلیدِ گنجِ اسرارِ خدا

دیدۂ دل سے اگر اُس کو کبھی تُو دیکھ لے
ہو شناسائی تجھے حاصل رموزِ دہر سے

آنکھ جس کی صورتِ آئینہ حیراں ہی رہا
گفتگو سے ہو چکی محروم ہے اُس کی زباں

دامنِ دل کو خوشی کے موتیوں سے وہ بھرے
دانہ ہائے سبحہ پر جو یاہُو پڑھتا رہے

کیا کسے مجھ ایسے بیخود کا ٹھکانا مل سکے
خضر اور الیاس بھی ڈھونڈے نہیں پاتے جسے

گوشۂ تاریکِ ما را ہست صد صحنِ چمن
نیست ما را احتیاجِ گلبن و سرو و سمن

کوئی قیسِ عامری کو بات پہنچا دے مری
لیلیٔ دل منتظر ہے تیرے پہلو میں تری

شیخ کو حورانِ جنت کی ہوس اور آرزو
رند کو وصلِ نگارِ معرفت سے آبرو

شیشۂ دل زنگ آلودہ ہے تیرا سر بسر
جلوۂ اسرارِ حق اُس میں کہاں آئے نظر

ہو مبارک غیر کو۔ اے باغباں تیرا چمن
بُلبُل و گل ہیں وہی باں اُو وہی رسمِ کہن
ہے مقامِ ساغر و مینا پہ دستار و عبا
شیخ کو ہے آج میخانہ دیا کس نے بتا
میکشوں کو دو خبر میری طرف سے برملا
ہو گیا ہے محتسب۔ لو۔ آج پیرِ میکدہ
یہ زماں جو گردشِ ایام پر ہے چل رہا
ایک قطرہ ہے فقط بحرِ دلِ انسان کا
باغِ استقبال سے ہو دل ترا رشکِ بہار
ہو نہ اُس ہیں حاضر و فردا کا خطرہ زینہار
ہم بُرا کیونکر کہیں صیّاد کو اے آسماں
وہ سکھاتا ہے عنادل کو نئی طرزِ فغاں

شاہ کی تفریح کا سامان سب موجود ہے
طائرِ بیگانہ کا آنا یہاں بے سود ہے
گو نظر آتے ہیں اُسکے خوشنما سب رنگ ڈھنگ
پشت میں اُس آئینہ کی ہیں مگر آثارِ زنگ
ارضِ گلشن میں نہ بودے یہ کہیں تخمِ فساد
جس سے ہوں اہلِ چمن میں رُونما رنج و عناد
تھی مقدّر میں مگر روزِ ازل سے سروری
شاہ سے حاصل ہوئی اُن سب پہ اسکو برتری
عندلیبِ خوشنوا وہ جب ہوئی نغمہ سرا
اہلِ گلشن نے کیا اقرار اپنے عجز کا
حاسدوں کی دشمنی ثابت ہوئی سب بے اثر
ہوگئی سلطان کی وہ خاص منظورِ نظر

صورت و سیرت میں وہ رکھتی نہ تھی اپنی نظیر
تھی نظر میں شاہ کی وہ زینتِ تاج و سریر
حکم یہ نافذ ہوا اُس کے لئے دربار سے
عمر ساری طوس ہیں جا کر تو ارزی کرے
بوستانِ طوس ہیں قائم رہے تا زندگی
اور کرے تکمیل واں اک نغمۂ نایاب کی
گوہرِ شاہوار لاکھوں اور موتی آبدار
خوبیٔ گفتار پر اُس کی کروں گا میں نثار
مثلِ فردوسی جہاں میں جوشِ ہمّت تو دکھا
در پہ پھر گنجینۂ محمود تیرے آئے گا

اہلِ حاجت کی مدد کو دوڑ تو پیش از سوال
تاکہ ہو اقبال تیرا پائدار و بے زوال

توسنِ عقلِ رسا کو اپنے تو جولان دے
عرصۂ تدبیر میں تا صاحبِ ہمت رہے

ہوں دل و جاں سے غلامِ ہمتِ مردِ خدا
جو عروسِ مدعا سے ہو نہ اک لحظہ جدا

اِس تری نکتہ بیانی پر - فقیرِ با نوا
غالبِ مرحوم بھی ہیں کہہ رہے صد مرحبا

اِنعام و اکرام

بوستانِ غزنوی کے طائرانِ خوشنوا
ایک نخلِ پُر ثمر پر تھے بہم نغمہ سرا

ہیچ تھی اُن کی نظر میں رفعتِ چرخِ کہن
شاخِ طوبیٰ سے اُنھیں بہتر تھا ہر برگِ چمن
ساکنانِ باغ سے تھا اور کس کا حوصلہ
ہمنوا اُن کی نہ ہو سکتی تھی جب موجِ صبا
مدتوں گلشن پہ اُن کی حکمرانی یوں رہی
مانتے اہلِ گلستاں اُنکی عظمت تھے سبھی
عندلیبِ خوش بیاں اِک آئی بالآخر وہاں
بوستانِ طوس میں رکھتی تھی جو کہ آشیاں
طائرانِ باغ تھے اُس کو بظاہر دیکھتے
جوہرِ پنہاں سے اُسکے آشنا لیکن نہ تھے
مضطرب تھے سب ہر اِک سے دوسرا کہتا یہ تھا
رشکِ جنت بوستاں دم سے ہمارے ہے بنا

شاخِ گلشن پر ترنّم ریز ہو گی پھر ہزار
نقشۂ خلدِ بریں ہو گا زمیں پر آشکار

نگاہِ انتخاب

جب پڑی فیضی پہ اکبر کی نگاہِ انتخاب
دِل ہوا اہلِ حسد کا مرکزِ صد پیچ و تاب
بن گیا فیضی ہزارِ بوستانِ نورتن
شور کرتے ہی رہے گلشن میں گو زاغ و زغن
خالقِ اکبر نگاہِ فیض جو تجھ پر کرے
تیرے حاسد کا دہن خاکِ مذلّت سے بھرے

بازیچۂ اطفال

چند لڑکے کھیلتے تھے ایک سبزہ زار پر
ایک خندق پر پڑی اُن نونہالوں کی نظر
دل میں ٹھانی سب نے جائیں پھاند کر خندق پرے
متفق اس بات پر سب کھیلنے والے ہوئے
جو گرے خندق میں وہ جائے اُسے کوئی سزا
بیہودہ ہے کھیل ورنہ اور ہے بے مُدعا
کھیلنے میں گر پڑا جو ایک طفل ناتواں
شور سے اپنے اُٹھایا سب نے سر پر آسماں
ہاتھ اُس کے سب نے اُسکی پیٹھ کے پیچھے کئے
اور بہت مضبوط باندھے اُسکی ہی دستار سے

تشخیصِ مرض

جب ہمایوں کے مرض میں ابتری ظاہر ہوئی
اور اطبّا کی گئی بے سود سب چارہ گری
بیہدہ قربانیوں کے ہو چکے سب مشورے
بانوا بابر نے دیکھا ایک آتے دُور سے
دیدۂ عالم سے گو اُسکی حقیقت تھی چھُپی
خِضر کا سا پر وہ رکھتا تھا لباسِ ظاہری
کان میں اُس بانوا نے بات کچھ ایسی کہی
کھُل گیا بابر پہ جس سے بابِ رازِ زندگی
موت سے اس کو بچانا ہے تو ہو اس پر فدا
چشمۂ آبِ بقا کو ہے یہی بس ایک راہ

کیا کبھی تُو نے نہیں دیکھا ہے تُو نے بے خبر

سوختہ ہو کر دیا کرتا ہے جو اپنا ثمر

اُمیدِ بہار

سنگ باری سے خزاں کی بے ثمر گلشن ہُوا

طائرانِ بوستاں کو گلستاں گلخن ہُوا

آئینہ پارہ تھا گویا دلِ طیورِ باغ کا

بارشِ سنگِ خزاں کی ورنہ تھی بُنیاد کیا

بُلبلانِ بوستاں آوارۂ گلشن ہوئیں!

جستجوئے گلستاں میں دُور گھر سے ہو گئیں

سُن رہے ہیں مژدۂ راحت۔ بہار آنیکو ہے

بہمن و دے کا عمل گلشن سے اُٹھ جانیکو ہے

باندھ دیں آنکھوں پر اسکی ہٹیوں پر پٹیاں
اور اُتاریں پاؤں سے اُسکے اُنہوں نے جوتیاں
لی قسم اس سے رہونگا عہد پر میں اُستوار
غیر سے امداد کا طالب نہ ہونگا زینہار
ناتواں ہر چند میں ہوں اور کوسوں دُور گھر
جوشِ سرما سے گیا ہے جسم گو میرا ٹھٹھر
چھپ گیا ہے دامنِ کوہ میں اگرچہ آفتاب
بن گئی سیلابِ بارش سے ہیں راہیں جوئے آب
گھر کے دروازے پہ لیکن جب رکھونگا میں قدم
راہ کے سب بھول جائینگے مجھے رنج و الم
کر چکا جب وہ شرائط عہد کی ساری بیاں
اپنے اپنے گھر گئے سب چھوڑ کر اُسکو وہاں

کیا خبر اُن کو ہے کیا گزرے کسی پر راہ میں
جن کے سر ہوں وقفِ بالشِ استراحتگاہ میں
ضعف سے گرتا سنبھلتا ٹھوکریں کھاتا ہُوا
راہ اپنی وہ کئی دن رات طے کرتا رہا
اِس تگ و پو میں اگرچہ وہ سراسیمہ رہا
ہاتھ سے اُس نے نہ اپنے عزم کو لیکن دیا
آخر اُسکی سعی سے وہ آگئی ساعت سعید
اُسکی اُمّیدوں کی اُسکے ہاتھ میں آئی کلید
دُور سب رنج و محن اُسکے ہوئے انجام کار
زیب اور رنگِ سعادت ہو گیا وہ ہونہار
جو رکھے گا عزم و استقلال کو پیشِ نظر
ایک دن اُس کو ملے گا کامیابی کا ثمر

جذبات

مذہب اپنا خود بنا کر مفتیٔ بدعت نہ بن
امتثالِ امرِ پیغمبر پہ رکھ اپنا چلن

من ترا پندے بگویم بشنوی از من اگر
خود پسندی ہست شاخ زندگانی را تبر

در بدر ہیں ٹھوکریں کھاتے وہ مانند گدا
جن کے آبا تھے جہاں میں سرخوشِ جامِ غنا

کام کوئی ہو نہیں سکتا کبھی تجھ سے بُرا
تو اگر جانے خدا ہے جانتا اور دیکھتا

در پئے آزارِ مردانِ خدا ہے آسماں
ناوک افگن ہے ضعیفی میں بہ مانندِ کماں

مے ازل سے تو ہماری آب و گل میں تھی ملی
آج واعظ کو بھی لیکن جا بجا لغزش ہوئی

بات اُسکی گو نظر میں اب تری جچتی نہیں
بعدِ مُردن یاد آئے گا تجھے گوشہ نشیں

بادۂ غفلت سے ہوں بدمست اُن کو دیکھتا
تھا مئے عرفان سے معمور جن کا میکدہ

تو نشۂ شاہی پہ رکھتی ہے اگر تو آسرا
ڈوب مر اِس ننگ سے اے روئبہ بیدست و پا

پڑھ رہا تھا رات میری نظم کوئی نغمہ خواں
دست افشاں ہو رہے تھے جس پہ اہلِ آسماں

تو گدائے در بدر ہو یا کہ ہو فرمانروا
دیکھنا یہ ہے کہ تو اپنا چلن رکھتا ہے کیا
خوف تُو کھاتا نہیں ہے اپنے خالق سے اگر
خَلق سے ہی بد عمل۔ یارے حیا اور شرم کر
تُو گھڑا تاریک گوشہ میں ہے کیوں بہرِ نماز
یاد میں ہر دم تری رہتی ہے گر زلفِ ایاز
پا بہ زنجیرِ تعلق رہ۔ اگر رہنا ہے یاں
گوشۂ ویراں میں گو رکھتا ہے تُو اپنا مکاں
ابرِ باراں یہ نہیں ہے اے جوانِ بے ہنر
رو رہا ہے آسماں تیرے بُرے انجام پر
کیا غرض بے درد سے تجھ کو دلِ درد آشنا
سوچ تو۔ ہے سنگ کو آئینہ سے نسبت ہی کیا

جو رہے بہبودِ مُسلم کے لئے سینہ فگار
خارِ حسرت کی خلش سے ہیں لحد میں بیقرار
پُھول ہی دو چار اُسکی قبر پر تُو ڈال دے
تھا کبھی گوشہ نشیں بھی گل فشاں تیرے لئے

تُو گناہوں سے اگر اپنے نہیں تائب ہُوا
مُنہ پیمبر کو دکھائیگا تو کیا روزِ جزاء
کامِ آخلقِ خدا کے ۔ ہے اگر تُو ہوشیار
دو جہاں میں کامیابی کا اِسی پر ہے مدار
تُو اگر علمی مسائل کو نہیں ہے جانتا
منبرِ مسجد پہ ہے تُو کس لئے بیٹھا ہُوا

جو سمجھتا ہے فروع کو خارج از حکمِ خدا
کب اصولِ دین سے ہے۔ دیکھئے ہوتا جدا

جا بجا دامِ تعلق کو بچھا عالم میں تو
ہے یہی اصلِ تمدن۔ اور رازِ آبرو

دل دیئے بیٹھا ہے جامِ آتشیں کو تو یہاں
شعلۂ دوزخ یہی بن کر جلائے گا وہاں

مدفنِ گوشہ نشیں کا جانتے ہیں سب نشان
رونق افزا سینکڑوں ہونگے وہاں قرآن خواں

ہاتھ پر مسلم اٹھاتے تھے جسے تعظیم سے
آج سر پر ہے رکھا سوگند کھانے کیلئے

اعتبار اُس کے کسی بھی عہد پر ہرگز نہ کر
جو رکھے ہر کام میں اپنی غرض پیشِ نظر

یہ ریاکاری کے آنسو۔ اے نمائش کے مرید
نقدِ دل سے تیری یوسف کی نہیں ممکن خرید

گونجتا سازِ طرب سے جو مکاں برسوں رہا
اب در و دیوار پر اُس کے ہے اُلّو بولتا

تین ہیں یورپ کے اور ہے ایشیا کا اِک خدا
کیوں نہ یورپ کا بڑھے پھر روز افزوں مرتبہ

قابلِ نفریں سمجھتے ہیں ستمگر کو بشر
ہیں منافق سے مگر بیزار اُس سے بیشتر

غصبِ اموالِ یتامیٰ سے کبھی تو خوش نہ ہو
بھر رہا ہے نارِ دوزخ سے تو اپنے پیٹ کو
زاہدِ گندم نمارا این سخن از ما رساں
چوں شوی گر بہ صفت پیہنر شوی نزدِ کساں
جو شریعت اور طریقت کو جدا ہے جانتا
ہاؤ ہو میں ہو نہیں سکتا ہے اُس کو فائدہ
کاذب و ایماں فروش و زاہدِ گندم نما
بُغض با ایشاں ہمے دارند مردانِ خدا
مکرِ دُنیا سے جو دامِ زہد میں گرتا ہے تو
کر رہا ہے تو نماز اپنی ادا غیر از وضو
ایک روزہ کے عوض میں روضۂ جنت ملا
ایک ذرّہ کا بدل ہم نے نشہ خاور لیا

نالۂ شبگیرِ بادشاہِ خوباں۔ آہِ سرد

ایں عمل را تا دمِ آخر۔ نخواہم ترک کرد

دیکھ عبرت کی نظر سے چاند کو اے ہوشیار

گردشِ محمود کے غم سے ہُوا ہے داغدار

ہو تراد ستِ کرم دُنیا میں اِتنا زر فشاں

بھُول جائیں نام حاتم کا سبھی اہلِ جہاں

صدائے درا

اِتفاق ایسا ہُوا اک باغ میں جاتا ہوں میں

بُلبُل و گُل میں محبت وہاں بہت پاتا ہوں میں

ایک بُلبُل کا جُدا ہے دوسری بُلبُل سے ڈھنگ

ایک گُل کی اور صورت۔ دوسرے کا اور رنگ

اپنے اپنے پھول پر ہیں بلبلیں سب گا رہی
گلشنِ فردوس کی تصویر ہیں دکھلا رہی
دیکھتا ہوں ایک شاخِ سبز کو جنبش ہوئی
اور چٹک کر آن میں ظاہر ہوئی اُس سے کلی
بلبلِ خوش رنگ گوشہ سے کہیں آئی نکل
خوبیٔ پرواز میں رکھتی نہ تھی اپنا بدل
اِس کلی پر وہ ہوئی اِس ناز سے نغمہ سرا
بُلبلوں نے سر دیا تعظیم سے اپنا جھکا

گوشہ نشین

فروری سنہ ۱۹۲۶ء

موتیوں میں لعل

چونکہ ذیل کی نظم بحر کے لحاظ سے تمام کتاب سے مختلف ہے۔اِس لئے ہم نے اِس کا عنوان "موتیوں میں لعل" رکھا ہے۔اِسی مصنف کی دوسری تصنیف موسومہ "صدائے جرس" زیر طبع ہے۔جو کہ مختلف بحروں کا مجموعہ ہوگی۔اُمید ہے کہ آپ آرڈر دے کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

مینیجر

جو دل میں ہے۔وُہ صاف کہوں خوف اگر نہ ہو

میرا بیانِ حال کہیں بے اثر نہ ہو

لے میں بتائے دیتا ہوں اسرارِ کیمیا

حاصل جہاں میں خود مجھے گو سیم و زر نہ ہو

ہے یہ ہی پندِ نبض شناسانِ روزگار

عشقِ بُتانِ شوخ میں آشفتہ سر نہ ہو

بے سود ہے تصوّرِ جاناں میں بیٹھنا

جذبِ دلِ حزیں میں ترے گر اثر نہ ہو

شوقِ وصالِ یار رہو ہمت فزا تجھے
درماندۂ فراق و جنوں خو مگر نہ ہو

سودائے زلف سے نہ سروکار ہو تجھے
جس سر میں یہ خیال ہو۔ تیرا وہ سر نہ ہو

اس نامہ و پیام میں ذلت ہے سربسر
کوئے صنم کی راہ کی۔ تجھ کو خبر نہ ہو

جو عندلیب پھول کے کانٹوں کو دیکھ لے
نغمہ سرائے بوستاں وہ عمر بھر نہ ہو

جو دیدۂ ہوس سے نہ دیکھے کسی کو تو
تیغ نگاہ کا ترے دل پر اثر نہ ہو

گر تو کسی کے خندۂ لب پر نہ ہو فدا
تیرے نصیب گریۂ شام و سحر نہ ہو

جاتا اگر تو کوچۂ جاناں میں چھوڑ دے
درباں کا پائمال کبھی تیرا سر نہ ہو

کرتے ہیں راہنمائے بشر حق سے التجا
نخلِ وصالِ یار ترا بارور نہ ہو

سر سے خیالِ لذتِ شیریں دہن نکال
فرہاد ساں نصیب میں تیرے تبر نہ ہو

تیرِ مژہ سے جس کا جگر ہو نہ پاش پاش
اُس کو تلاشِ مرہمِ زخمِ جگر نہ ہو

آوارۂ تلاشِ مسیحا نہ آپ ہوں
گر دل رہینِ دردِ بتِ سیمبر نہ ہو

مقبول ہے خدا کا وہی ہے جو حق پرست
کفرِ صنم پرستی میں گو نامور نہ ہو

مجنوں نہ ہو جو تو کبھی لیلیٰ کے عشق میں
دستِ جنوں کا تیرے گریبان کو ڈر نہ ہو

ہیجانِ غم ہیں کس لئے دیوار جُو ہو تُو
شوریدگیٔ عشق سے آگہ جو سر نہ ہو

ہے یہ دعا کبوترِ نامہ رساں مری
حق سے تجھے نصیب کبھی بال و پَر نہ ہو

دے جائے شوق سے ہمیں داغِ مفارقت
بے وصلِ یار زندگی جس کی بسر نہ ہو

عہدِ شباب نذرِ بتاں گر نہ ہو ترا!
خمِ پُشت کو نہ ہو تری۔ ٹیڑھی کمر نہ ہو

حُبِ وطن گہر ہے۔ تو دل ہے ترا صدف
اے کاش! یہ صدف کبھی غیر از گہر نہ ہو

حاصل خدا سے دیدۂ بینا ہو گر تجھے
عشق صنم سے دل ترا زیر و زبر نہ ہو
ہمت ہو گر بلند تری - عزم ہو صمیم
نخل مرادِ دل ترا کیوں بار ور نہ ہو
زاغ و زغن کے شور پہ دیتا ہے کان وہ
جو آشنائے نغمۂ مرغِ سحر نہ ہو
دم سے انہیں کے بزم جہاں کو فروغ ہے
"اے آسمان - دشمن اہل ہنر نہ ہو"
کہتا ہے آفتابِ جہانتاب تو جسے
شک ہے مجھے کہیں مرا داغ جگر نہ ہو

گوشہ نشین

کتبہ محمد شفیع لوہاری گیٹ لاہور

زمین اور سُورج

ایک دن خورشیدِ خاور سے لگی کہنے زمین
اکرم العالم ہے انساں بہتر حق کا ہے امین

رونقِ بازارِ دنیا آدمی کے دم سے ہے
تاجداری اِس کو حاصل خالقِ عالم سے ہے

مظہرِ اعلائے حق ہے یہ اگر انسان ہو
قادرِ اعجاز ہے گر دولتِ ایقان ہو

مائہ نازش مجھے اس کا وجودِ پاک ہے
آبرو میری بدوں اس کے سپردِ خاک ہے

خانۂ ویراں میں میرے ہے یہ مانندِ چراغ
دل مرادیدار سے اِسکے ہے ہوتا باغ باغ

ہوں سدا اس کے لئے محوِ حصولِ خورد و نوش
گو ازل سے یہ بنا میرے لئے ہے بارِ دوش
اِس حقیقت کو مگر رکھتی ہوں میں پیشِ نظر
میرے اکثر کام اس کی ذات پر ہیں منحصر
پرورش میں اس کی گو مصروفِ جانسوزی ہے تو
رزمگاہِ دھر میں گو وجہِ بہروزی ہے تو
ہاں بتا۔ یہ سارے انساں اور ہیں پروانہ وار
گرد تیرے پھر رہے ہیں کیوں سبھی بے اختیار
عزت و توقیر تیری اس قدر ہے کس لئے
واقفِ اسرارِ پوشیدہ مجھے بھی کیجئے
حال جب اپنا زمیں نے کر دیا سارا بیاں
آفتابِ چرخ پیما یوں ہوا گوھر فشاں

ساکنانِ ارض ہیں گرچہ تیرے منّت پذیر
روندتے ہیں پاؤں میں لیکن تجھے شاہ و فقیر

سر بلندی کے چمن میں سرو ہے میرا وجُود
اور خس و خاشاک سے ادنیٰ ہے تیری ہست و بُود

روشنی کا ذات میں تیری نہیں نام و نشاں
میں سراسر نُور ہوں مجھ سے ہے روشن شب جہاں

ہمتِ دل سے مجسّم نُور تُو بن کر دکھا
دیکھ! پھر ہو جائیگا تُو بھی کسی دن کیا سے کیا

دریائے چناب

شدّتِ گرما تھی اور وقتِ غروبِ آفتاب
سیر کی خاطر ہوا میں عازمِ رودِ چناب

ذوقِ نظّارہ مرے دل میں طرب انگیز تھا
اضطرابِ مایہ دارِ شوق حیرت خیز تھا
فیضِ باراں سے امیدِ آمدِ سیلاب تھی
دل میں میرے پھرتی تصویرِ روانِ آب تھی
شورشِ امواج کی کانوں میں آتی تھی صدا
دل ہی دل میں اپنے تھا میں یہ ترنّم سن رہا
ساحلِ دریا پہ لیکن جب رکھا میں نے قدم
دیکھتا کیا ہوں نہیں باقی وہ پہلا سا حشم
اِس قدر پانی کی قِلّت سے ہُوا تھا تنگنا
موسمِ باراں میں جوں نالا ہو کوئی بہ رہا
چند لڑکوں کے سوا کوئی وہاں انساں نہ تھا
کشتیوں اور ناخداؤں کا کروں میں ذکر کیا

میں نے دریا سے کہا۔ تیرا وہ جوبن کیا ہُوا
شیفتہ جس پر ہوا کرتے تھے سب شاہ و گدا

ہنس کے یہ کہنے لگا مجھ سے کہ اے خانہ نشیں
حیف ہے۔ اب تک بھی تو اس راز سے آگہ نہیں

میں نے اپنا تن ہے صرف خدمتِ انساں کیا
سعی و جانکاہی سے ہی ہوتا کسی کا ہے بھلا

لوگ کہتے ہیں تمہیں گوشہ نشینِ بے نوا
خدمتِ انساں کے میداں میں رہو جوہر نما

فرعونِ مصر

حکمراں فرعون رہتا تا قیامت چاہتا
پختہ و پر اس کی دماغِ خام میں رکھنا سدا

مردم آزاری میں تھا غیرت دہِ ہفت آسماں
قتل و غارت میں وہ رشکِ نادر و چنگیز خاں

روئہ صد سالہ اُس سے سیکھتی حیلہ گری
خبثِ باطن میں اُسے مخصوص حاصل برتری

دولت و ثروت میں اُس کا مرتبہ اتنا بڑا
اُس کے دروازے پہ کیخسرو تھا اِک ادنیٰ گدا

خارج از وہم و گماں حاصل اُسے جاہ و حشم
آفتابِ آسماں افروز پر اُس کا قدم

ہر کس و ناکس تھے عابد اور وہ معبود تھا
خالقِ ارض و سما اپنے تئیں وہ جانتا

دامِ آئینِ حکومت کا وہ ہو کیونکر اسیر
جو قوانینِ الٰہی کا نہ ہو فرماں پذیر

جب بڑھا شدّاد اور نمرود سے اُس کا غرور
صورتِ موسیٰؑ میں قدرت نے کیا اپنا ظہور

شامتِ اعمال اُس کی لائی آخر کار رنگ
ہو گئے بیکار اُس کے نیزہ و تیر و تفنگ

یادِ بیجائی ہوئی اُس کی زمانہ پر عیاں
رہ گیا عنقا صفت اُس کا فقط نام و نشاں

رحم سے اپنے جسے خالق ہما پایہ کرے
اُس کو لازم ہے کہ اُس کے حکم کا بندہ رہے

دریودھن اور بھیم

فطرتاً آپس میں ہوں دو بھائی جو درد آشنا
ایک ہی خوں ہو جو دونو کی رگوں میں دوڑتا

شکل و صورت میں ہوں دانے ایک ہی تسبیح کے
ایک دانہ دوسرے دانے کا ہم پہلو رہے
ایک دسترخوان پر دیکھیں جنہیں شام و سحر
اور گھروں کے اُن کے ملحق ہوں سبھی دیوار و در
چیل کا حملہ اچانک ہو جو اُن کے چھول پہ
ایک مرغی کے پروں میں جا چھپیں وہ دوڑ کر
آسماں کی سمت ہو اُن کی نگہ بہرِ دُعا
ایک ہی دونو کا ہو پُشت و پناہ اور آسرا
ہم سفر ہم راز ہمسر ہم وطن اور ہم زبان
مشترک رکھتے ہوں دونو الغرض سود و زیاں
ایک ادا سے کیا خالق نے جنکا انسلاک
جائے حیرت ہے جو ہوں باہم دگر وہ ترسناک

بر سرِ کینہ ہوا پانڈو کے جب چرخِ کہن
ہو گئے وہ ایک مدت کیلئے دُور از وطن

ناتواں ہونا جہاں میں ہے حقارت کی دلیل
بیکس و بے یار رہتا ہے زمانہ میں ذلیل

شاطرِ شطرنج کی عزت دغا بازی میں ہے
مُلک گیری اور جہاں گیری زماں سازی میں ہے

تاج گرچہ ہو کسی نا اہل کے سر پر رکھا
چُومتی ہے پاؤں کو اُس کے سبھی خلقِ خدا

ہو جہاں مسلک بشر کا خود فروشی کی لکیر
بے وطن اور خوار ہوتے ہیں وہاں اہلِ ضمیر

جب ہوا وقتِ جلا وطنی قریب الاختتام
جُستجو پر مستعد اُن کی ہوا اک مردِ خام

عین ممکن ہے جو ہو جائے کوئی شاہِ زمین
کھیت سیفِ ظلم کا سرسبز ہو ممکن نہیں

صیدگاہِ دہر میں گنجشک ساں شہباز ہے
قبر سے نپولین کی یہ بلند آواز ہے
آہنی پنجہ میں آیا دکش کے وہ خام مرد
بھیم کو بھائی کی حالت پر ہُوا رنج اور درد
دیدۂ ظاہر میں گنگا اور جمنا ہیں جدا
ایک ہے دونو کی لیکن ابتدا اور انتہا
قافلے گو اپنی اپنی راہ پر ہیں صبح و شام
ایک منزل پر ہے دونو قافلوں کا اختتام
دکش پر قہر و غضب میں بھیم نے حملہ کیا
موت کے پنجہ سے دریودھن ہوا آخر رہا
بھیم دریودھن کا گرچہ دشمنِ خونخوار تھا
غیر کے لیکن مقابل ہیں وہ اُس کا یار تھا
رگ حمیّت کی بدن میں بھیم کے تھی جوش زن
تھا گھرانہ ایک اُن کا۔ ایک تھا اُن کا وطن

ظلم دریودھن کا فائق گرچہ تھا افلاک پر
آدمیّت کو رکھا پر بھیم نے پیشِ نظر

مرحبا۔ گوشہ نشینِ بانوا۔ صد مرحبا
تیرا اندازِ بیاں ہے بے مثل اور دلرُبا

ستاروں میں آفتاب

چونکہ یہ نظم بھی بحر کے لحاظ سے تمام کتاب سے مختلف ہے۔ اس لئے ہم نے اِس کا عنوان "ستاروں میں آفتاب" رکھا ہے۔ (مینجر)

فرہاد سے یہ خسروِ پرویز نے کہا!!
بیگانۂ شعور تو آوارہ حال ہے!
تائب ہو میرے سامنے شیریں کے عشق سے
جوشِ جنون و غم تجھے جان کا وبال ہے
تو آشنائے غم ہے۔ تو عالم میں ہے ذلیل
بیگانہ میں ہوں۔ مجھ کو حصُولِ کمال ہے

سُن کر دیا جواب یہ فرہاد نے اُسے
عاقل ہے تُو نہ محرمِ اسرارِ حال ہے
جاہ و حشم میں گو ہے فریدوں سے تُو سوا
باہر شمار سے ترا مال و منال ہے
جس کام کا ارادہ ہُوں دل سے میں کر چکا
چارہ گری میں اُس کی مرا بال بال ہے
قسمت میں ہو وصال مری یا کہ موت ہو
شیریں کے وصل کا مجھے ہر دم خیال ہے
راسخ رہوں گا بات پر اپنی میں عمر بھر
آدم کی نسل کے لئے یہ نیک فال ہے
دِلدادہ ہوں میں اُس بُتِ سیمیں عذار کا
ناز و ادا و حُسن میں جو بے مثال ہے
ڈرتے ہیں سرفروش بھی تلوار سے کہیں؟
میری نظر میں ہیچ یہ تیرا جلال ہے

فرہاد تیرے خوف سے شیریں کو چھوڑ دے؟
جانبازِ عشق کے لئے امر محال ہے

جو منزلِ مراد کی مرتا ہے راہ پر!!
حاصل اُسے نگاہِ خرد میں وصال ہے

صحرا میں جو سموم نمونہ سقر کا ہے!
آوارۂ جنوں کو نسیم شمال ہے

پتّھر سے جو نکلتا ہے ذرّہ سا اک شرار
اُس کے لئے وہ شعلۂ حُسن و جمال ہے

حُسن دوامِ عزم کے طالب کے واسطے
ہر ایک ذرّہ دشت کا چشمِ غزال ہے

جس کا جگر ہے عشق و محبّت میں داغ داغ
حُسنِ ازل کے روئے نکو پر وہ خال ہے

صہبائے عشق سے کروں توبہ کہاں مجال
توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

اک کھیل میں سمجھتا ہوں تاج و سریر کو
جا۔ کھیل اِن کھلونوں سے تو خورد سال ہے

وہ عرش سے رکھیگا ہمیشہ بلند سر
نازِ خرامِ یار کا جو پائمال ہے

مرنے کا ذوق عاشقِ جاں باختہ سے پوچھ
الیاس و خضر کی بھی زباں جس میں لال ہے

قربانِ یار ہونے کو تیّار ہوں کھڑا
بے سُود اور بیہودہ یہ قیل و قال ہے

جس کا ہُمائے عشق کرے چرخ پر خرام
فرسودہ اُس کے واسطے یہ تیرا جال ہے

جلاد تیرا اگرچہ ہو رستم سے بھی قوی
عاشق کی وہ نگاہ میں اک پیرِ زال ہے

طوبیٰ سے سر بلند رہیگا وہ تا ابد
شیریں کے بوستاں میں جو ادنےٰ نہال ہے

کامل ہوں اپنے عشق میں اور بے زوال ہوں
پر معرضِ خطر میں یہ تیرا کمال ہے

فرہاد آج ہی نہیں شیریں کا مُدعی
روزِ الست سے ہُوا دیوانہ حال ہے

رازِ دوام نام سے جو آشنا ہُوا
گمنام اُس کو کر سکے کس کی مجال ہے

اظہارِ حق پہ جب ہُوا جانباز مُستعد
پھر زہر اُس کے واسطے آبِ زلال ہے

وہ کب سمائے عشق پر پرواز کر سکے
جو آشیاں میں مُرغکِ بے پر و بال ہے

لے۔ سر جھکائے دیتا ہوں۔ تلوار کو نکال
پیغامِ عید گویا یہ مجھ کو ہلال ہے
فریاد۔ رنج۔ ہجر۔ اَلم۔ درد پروری
میرا ہر ایک حرف مصیبت پہ دال ہے
موجود تیرے پاس ہے جو گنجِ سیم و زر
اکبر عشق کا وہ سدا دستمال ہے
شوریدگی کے ہاتھ سے پہنچا ہوں یاں تلک
کاندھوں پہ۔ مَیں سمجھتا ہوں۔ یہ سر وبال ہے
شیریں کو کاش دیکھ لوں مرنے سے پیشتر
مولائے انس و جان سے اپنا سوال ہے
رکھتا ہے سیم و زر سے تُو افلاک پر نظر
جامِ جہاں نما مرا جامِ سفال ہے۔

غربال ساں بناؤ نگا کانٹوں سے جسم کو
کانٹا سبھی کو پاؤں سے آ تا نکال ہے

جو تختِ زرنگار ہے تیری نگاہ میں
عاشق کی وہ نظر میں زمینِ قتال ہے

اب عقل سے بعید ہے تجھ سے مرا نباہ
ہے تابِ ضبط یاں نہ تجھے اعتدال ہے

تیر و تبر سے تیرے نہیں کچھ مجھے ہراس
سینہ مرا سپر ہے جگر میرا ڈھال ہے

رُودادِ عشق ہو چکی پرویز نے کہا
اب تیری موت عشق کا تیرے مآل ہے

اہلِ ہنر کے کان میں ہاتف نے کہہ دیا
یہ حُسنِ طرز اور یہ حُسنِ مقال ہے

عرفان کا خزانہ ہے گوشہ نشین کی نظم
گویا وہ صدرِ بزم گہ اہلِ حال ہے

تمّت

سید محمد حفیظ شاہ بخاری خاکی وزیرآبادی

کلید عملیات

مولفہ

سید برکت علی شاہ صاحب گوشہ نشین وزیرآبادی

جس میں تمام دینی و دنیوی مشکلات کو آسان کرنے کے لئے اعمال اور قریباً تمام بیماریوں کے رفع کرنے کے لئے تعویذات درج کئے گئے ہیں۔ لہذا مولف صاحب نے تشنگان قرب الہی اور حاجتمندان بارگاہ ایزدی کو دوسری تمام کتب عملیات سے مستغنی کردیا ہے۔ اور یہ کتاب اسرار مکنونہ اور رموز مکتومہ کا بے پایاں سمندر ہے۔ جس کی تصدیق دو عالمان دین نے بڑے شد و مد سے کی ہے۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ

کربلائی شیخ غلام علی شہید یہ تاجر کتب و
مالک خواجہ بک ایجنسی موچی دروازہ لاہور

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپی